صرف احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے لیے

# پیغامِ صُلح انٹرنیشنل

مدیر: مدثر عزیز

قیمت فی پرچہ -/5 یورو

فون: +49-308735703

Email: generalsecretaryaaiil@gmail.com

احمدیہ انجمن لاہور (جرمنی) کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔

جلد نمبر 07 | 2 ذوالحج تا 1 محرم الحرام 1443-44 ہجری یکم جولائی تا 31 جولائی 2022ء | شمارہ نمبر 13-14

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ مجدد صد چہاردہم

## انبیاء و صلحاء کے نمونہ کو اختیار کرنے والے ہی حقیقی متّبعین ہیں

”اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء علیھم السلام اور ایسا ہی اور جو خدا تعالیٰ کے راستباز اور صادق بندے ہوتے ہیں وہ دنیا میں ایک نمونہ ہو کر آتے ہیں۔ جو شخص اس نمونہ کے موافق چلنے کی کوشش نہیں کرتا لیکن اُن کو سجدہ کرنے اور حاجت روا ماننے کو تیار ہو جاتا ہے وہ کبھی خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر نہیں ہے بلکہ وہ دیکھ لے گا کہ مرنے کے بعد وہ امام اُس سے بیزار ہوگا۔ ایسا ہی جو لوگ حضرت علیؓ یا حضرت امام حسینؓ کے درجہ کو بہت بڑھاتے ہیں گویا اُن کی پرستش کرتے ہیں وہ امام حسینؓ کے متّبعین میں نہیں ہیں اور اس سے امام حسینؓ خوش نہیں ہو سکتے۔ انبیاء علیھم السلام ہمیشہ پیروی کے لئے نمونہ ہو کر آتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ بدوں پیروی کچھ بھی نہیں۔“ (ملفوظات جلد 3)

اداریہ

# مجدد زماں کی اہل بیت اور حضرت امام حسینؓ سے محبت

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کی محبت جس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے پایاں تھی اسی طرح وہ اہل بیت اور صحابہ کرام سے بھی بے حد عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ لیکن آپ کے مخالفین نے جہاں جوش مخالفت میں اور بہت سے بے سروپا الزام لگائے وہاں یہ الزام بھی لگایا کہ آپ اہل بیت کا احترام نہ کرتے تھے۔ لیکن جس شخص نے بھی تعصب کو چھوڑ کر آپ کی کتابوں اور آپ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ دل وجان سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے اہل بیت اور آپؐ کے صحابہؓ سے محبت رکھنے والے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے آپ کو خاص محبت اور عقیدت تھی۔ جیسا کہ تریاق القلوب میں آپ لکھتے ہیں کہ ''حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما خدا کے برگزیدہ اور صاحب کمال اور صاحب عفت اور عصمت اور ائمۃ الہدیٰ تھے اور وہ بلا شبہ دونوں معنوں کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آل تھے۔''

اسی طرح ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''ہم ان کو راستباز اور متقی سمجھتے ہیں'' حضرت امام حسینؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ سید المظلومین تھے۔ اور لکھتے ہیں کہ ''حسینؓ طاہر مطہر تھا اور بلا شبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلا شبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور یک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلبِ ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر، استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے'' (مجموعہ اشتہارات جلد سوم)

کتاب سر الخلافۃ میں آپ لکھتے ہیں کہ مجھے علیؓ اور حسینؓ سے ایک لطیف مشابہت ہے اس بھید کو مشرق اور مغرب کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یقیناً میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے دونوں بیٹوں سے محبت رکھتا ہوں اور اُس سے دشمنی کرتا ہوں جو ان دونوں سے دشمنی رکھتا ہے۔''

ایک اور مقام پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہوگئے۔ پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اور خون ہوں۔ اس لئے معاویہؓ سے گزارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے شیعہ پر زد ہوتی ہے اس لئے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوئے۔ ہم تو دونوں کے ثناء خواں ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جدا جدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسن نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مدنظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونوں کی نیت نیک تھی۔'' (ملفوظات جلد چہارم)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے تو ہر اس شخص کی تعریف وتوصیف کی ہے جس نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں حصہ لیا ہے۔ حضرت حسینؓ تو وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اصول اسلام کی خاطر اپنی اور اپنے پیاروں کی جانوں کا نظرانہ پیش کر دیا۔ اگر ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نسبت نہ بھی ہوتی تو بھی ان کا ایمان، تقویٰ، طہارت اور بزرگی اس بات کی دلیل ہے کہ آپؓ ولایت کے اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ حضور اکرم صلعم کی ذات تو وہ روشنی کا منبہ ہے کہ جس کی نسبت ان کی جانب ہو جاتی ہے وہ دنیا وآخرت میں منور اور سرفراز ہو جاتا ہے۔ اہل بیت اطہار کا مرتبہ تو انتہائی اعلیٰ وارفعی ہے۔ حضرت مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں کہ:

جان ودلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است

☆☆☆☆

# درود شریف کی اہمیت

## درسِ قرآن کریم بمقام جامع ملتان اور تقریر جامع دارالسلام بسلسلہ تقریبات میلاد النبیؐ مورخہ 7 نومبر و 10 نومبر 2019ء

## حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے فرمودات

(حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ مضمون پہلے پیغام صلح میں چھپ چکا ہے۔ درود شریف کی اہمیت اور اپنی زندگیوں میں درود کو شامل کرنے کی تحریک کی غرض سے افادہ عام کے لئے اعادہ کیا جا رہا ہے۔ ادارہ)

**ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کے اوپر سلامتی بھیجتے ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم بھی اس پر سلامتی بھیجو اور دُرود بھیجو''۔**

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 56 تلاوت کی گئی ہے اور اس کا ترجمہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہم ماہ ربیع الاوّل میں ایک مرتبہ پھر یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جہاں خود اور اُس کے ساتھ فرشتوں کے درود بھیجنے کا ذکر فرمایا تو وہاں ایمان لانے والوں کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمام لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود بھیجیں۔

(سب حاضرین نے با آواز بلند نبیؐ پر درود بھیجا)

درود شریف اور درد دونوں ایک ہی مادہ یعنی ''د۔ر۔د'' سے اخذ ہیں۔ اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے وقت اس درد کو محسوس کریں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے دوران برداشت کیا۔ اگر آپؐ ان تکالیف کو برداشت نہ کرتے تو آج ہم بھی (نعوذ باللہ) کفر اور شرک میں مبتلا ہوتے۔

جب درود شریف پڑھا جاتا ہے تو اس میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر بھی آتا ہے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کے معاملے میں حضرت ابراہیمؑ سے مماثلت ہے کہ کس طرح آپؑ نے دین کی راہ میں تکالیف برداشت کیں یہاں تک کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جو درد، تکالیف، اللہ کا پیغام اور ہدایت پہنچانے کے لئے برداشت کرنی پڑیں وہ بھی کسی آگ میں جلنے سے کم نہ تھیں اور اللہ نے دونوں کو حفاظت سے رکھا اور دونوں کو اپنا اپنا پیغامِ وحدانیت پہنچانے میں کامیابی عطا فرمائی۔ ان تکالیف کو جو آپؐ نے پیدائش سے لے کر اپنی رحلت تک برداشت کیں اُن کو ذہن میں رکھ کر درود شریف کا ورد کیا کریں۔

جب آپؐ کی پیدائش ہوئی تو آپؐ کی والدہ ماجدہ کو جس درد اور تکلیف سے گزرنا پڑا کہ اس بچے کا باپ اس کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکا تھا۔ اس درد کو جس میں سے ماں گزرتی ہے بچہ بھی اس کو محسوس کرتا ہے۔ اس درد کا احساس ذہن میں رکھتے ہوئے آپؐ پر درود بھیجیں۔ پھر اُس کو محسوس کریں کہ جب آپؐ کی والدہ نے آپؐ کو پہلی مرتبہ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے دیکھا اور پھر آپؐ کے والد ماجد کو ذہن میں لائیں کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کس قدر خوشی محسوس کرتے۔ اس درد کو بھی محسوس کرتے ہوئے ہمیں درود شریف بھیجنا چاہیے۔

پھر آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ چھ سال کے عرصہ کے بعد آپؐ کی والدہ ماجدہ وفات پا جاتی ہیں اور آپؐ یتیمی کی حالت میں آجاتے ہیں۔ اور اس حالت سے لے کر نبوت ملنے تک جو تکالیف اور مصائب آپؐ کو درپیش

رہیں اُن کو ذہن میں رکھیے اور پھر نبوت کے بعد آپؐ کو پتھر مارے گئے، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپؐ پر گند گی پھینکی گئی، آپؐ کے ساتھیوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا، آپؐ کے دندانِ مبارک شہید کیے گئے، آپؐ کو ہجرت کرنی پڑی، آپؐ کے خلاف جنگیں ہوئیں، آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا گیا، ان تمام تکالیف کو مدنظر رکھتے ہوئے درود شریف کا ورد کرنا چاہیے۔

درود شریف کا ورد گن گن کر نہ کیا جائے بلکہ اس کو روحانی غذا سمجھ کر اور دل کی صفائی کی غرض سے پڑھنا چاہیے اور جتنا ممکن ہو اسی قدر ورد کرنا چاہیے۔ درود شریف پڑھتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محسن انسانیت سمجھیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود نے سورۃ الفاتحہ کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اس سورۃ کی تلاوت اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، عنایات اور احسانات کو ذہن میں رکھ کر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان حضرت محمد صلعم کی بعثت ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قائم ہوئی۔ اس لیے جہاں ہم رسول کریم صلعم کے برداشت کیے ہوئے درد کو ذہن میں محسوس کرتے ہوئے درود پڑھیں وہاں ان کے احسانات کو بھی ذہن میں رکھیں۔

## نبوت دعاؤں سے نہیں ملتی:

آنحضرت صلعم نے غارحرا میں نبوت سے قبل جو عبادتیں کیں ان عبادات میں نہ اندھیرے کی پرواہ، نہ سانپ اور بچھو وغیرہ کا خوف، بس ایک ہی لگن تھی جو انسانیت کی بہتری اور ہدایت تھی اور نہ جانے کیا کیا اور کس کس انداز اور کن کن الفاظ میں آپؐ نے دعائیں کی ہوں گی۔ آپؐ کو ایک ہی فکر تھی کہ کسی نہ کسی طرح پوری انسانیت خدا کو پہچاننے والی بن جائے۔

جب آپؐ چالیس برس کے ہوئے تو آپؐ کو نبوت عطا ہوئی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ آپؐ نے نبوت کے لئے دعائیں نہیں کیں جیسے کہ آج کے زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو احمدیوں میں سے جو جماعت نعوذ باللہ نبی مانتی ہے کا عقیدہ ہے کہ **صراط الذین انعمت علیھم** کی دُعا مانگنے سے آپؓ کو (نعوذ باللہ) نبوت ملی۔ اگر دعائیں مانگنے سے نبوت ملتی تو آپؐ یہ خوشخبری حضرت خدیجہؓ کو سنانے کے لئے خوشی خوشی گھر لوٹتے کہ میری نبوت کی غرض سے کی ہوئی تمام دعائیں قبول ہوگئیں ہیں۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ آپؐ پر جب وحی نبوت نازل ہوئی تو آپؐ پر لرزہ طاری ہوگیا اور گھر جاتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زَمِّلُوْنی ، زَمِّلُوْنی (مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو)۔ خوف کی حالت طاری تھی، یہ خوف کسی ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اس احساس کی وجہ سے تھا کہ کیا آپؐ اتنا بڑا رسالت کا بوجھ برداشت کرسکیں گے؟ کیا وہ اللہ کے پیغام کو بااثر طریقہ سے لوگوں تک پہنچا سکیں گے؟ اس احساس کا اندازہ قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

”تُو کیا اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کردے گا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں“ (سورۃ الکھف آیت نمبر 6)

یہ بہت بڑا فرض تھا جو آپؐ کے کاندھوں پر ڈالا گیا (اور ہم نے تیرے ذکر کو تیرے لئے بلند کیا) مگر اللہ تعالیٰ کو آپؐ کی اس کیفیت کا علم تھا اس لئے وحی قرآن کے ذریعہ متعدد مرتبہ آپؐ کو کامیابی کی تسلی بھی ملتی رہی مثلاً فرمایا ”**ورفعنا لک ذکرک**“ (نشرح آیت 3)، ”**ما انزلنا علیک القرآن لتشقی**“ (ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ تو ناکام رہے“ (طہٰ آیت 2)، ”**انا شانئک ھو الابتر**“ (جو تیرا دشمن ہے اس کا نام لیوا کوئی نہ رہے گا)۔ (سورۃ الکوثر آیت 3)

## آپؐ کے احسانات کا بدلہ کیسے لوٹایا جاسکتا ہے؟

ہم کون سا ایسا عمل کرسکتے ہیں کہ آپؐ کے احسانات کا بدلہ لوٹا سکیں تو اس کا بہترین ذریعہ آنحضرت صلعم پر درود بھیجنا ہے۔ درود شریف کے معنی سے ہمیں خوب آشنا ہونا چاہیے تا کہ ہم اُس احساس کو جو درود بھیجنے کے ساتھ وابستہ ہے اُسے محسوس کرسکیں۔ ان معنی کو ذہن میں رکھ کر درود بھیجیں۔

”اے اللہ رحمت (سلامتی) بھیج محمدؐ پر اور آپؐ کی آل پر جیسا کہ تو نے رحمت (سلامتی) بھیجی ابراہیمؑ پر اور اُن کی آل پر،

بے شک تو تعریف کے لائق بزرگی والا ہے۔اے اللہ برکت نازل فرما محمدؐ پراور آپؐ کی آل پر جیسا تو نے برکت فرمائی ابراہیمؑ پراوراُن کی آل پر۔ بے شک تو تعریف کے لائق برکت والا ہے"۔

درودشریف میں آپؐ کی سلامتی اور برکت کی پیشگوئی ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کامیابی سے نہ نوازے۔درودشریف میں آل محمد صلعم پر بھی درود بھیجنے کا ذکر آتا ہے۔اسی طرح یہ قانون آپؐ کی آل (اُمت) پر بھی لاگو ہوتا ہے کہ وہ بھی کامیابی سے نوازی جائے گی۔یہ سلامتی کی ہی علامت تھی کہ آپؐ کبھی ناکام نہیں ہوئے اور آپؐ پر کبھی ڈر حاوی نہیں ہوا چاہے وہ جنگ حنین ہو جہاں آپؐ تن تنہا اور علی الاعلان بار بار فرماتے تھے **انا النبی لا کذب انا ابن عبدا لمطلب** یعنی "میں نبی ہوں اس میں بالکل جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"(بخاری کتاب المغازی حدیث **4361**) پھر اسی طرح جب آپؐ نے غار ثور میں پناہ لی اور دشمن سر پر تھے تو آپؐ نے اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو اللہ کے حکم سے تسلی دیتے ہوئے فرمایا **لا تحزن انا اللّٰہ معنا** "غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے"(سورۃ التوبہ آیت **40**) یہ اصول آج بھی اللہ کی راہ میں تبلیغ کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

یادرہے درود شریف قرآنی احکامات میں سے ایک حکم ہے اور حضرت اقدسؑ نے احکامات قرآن کے متعلق کشتی نوح میں فرمایا ہے کہ:

"جو شخص قرآن کے سات سو(**700**)احکام میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے"(کشتی نوح صفحہ **24** ایڈیشن اوّل)

اگر ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور قرآن پر مکمل ایمان رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو ہمارا ایمان بھی بے معنی بن جاتا ہے جس طرح قرآن میں سات سو(**700**)احکامات کا ذکر ہے اسی طرح یہودیوں کے صحیفوں میں بھی 634احکامات درج ہیں۔مسلمانوں کے لئے زائد احکامات اس لئے رکھے گئے کیونکہ انہوں نے ایک عظیم قوم بننا تھا۔جتنا عظیم درجہ پانا ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ مشقت کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر ہم غور کریں تو انسان کے بچے کی پرورش کے لئے ماں باپ اور قریبیوں کی محنت درکار ہوتی ہے جو جانوروں کے بچوں میں درکار نہیں ہوتی۔مثلاً مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی چوگ چگنے لگتا ہے لیکن انسان کا بچہ بے بس ہوتا ہے،نہ خوراک تلاش کرسکتا ہے،نہ کروٹ بدل سکتا ہے اور نہ کوئی ضروریات زندگی بغیر مدد کے حاصل کرسکتا ہے۔یہ اس لئے ہے کہ اُسے اشرف المخلوقات بننا ہے اور اُسے دنیاوی اور روحانی مراحل حاصل کرنے ہیں۔مسلمانوں کو ایک عظیم قوم اور خدا کی خوشنودی اور رضا حاصل کرتے ہوئے متقی بننا تھا اس لئے ان کے لئے مشکلات برداشت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا۔اور قرآن کے احکامات جو تدریجاً 23 سال میں نازل ہوئے ان پر عمل پیرا ہونا پڑا۔ہمیں بھی قرآن کی رُو سے **وآخرین منھم** "اور ان میں سے اوروں کو بھی"(سورۃ الجمعہ آیت 3) کا درجہ حاصل کرنا ہے اس لئے ہمیں بھی قرآن پر عمل کرنے کی پوری مشق کامیابی سے کرنا ہے تاکہ ہم بھی صحابہؓ کے نمونہ پر چل سکیں اور ہمارے لئے بھی صحابہؓ کی طرح روحانی ترقی کرنا ممکن ہو جائے۔

## درود کا اثر قلوب پر ہوتا ہے:

رسول کریم صلعم پر درود بھیجنے سے آپؐ کو کوئی ذاتی فائدہ نہیں آپؐ ایک روشن آئینہ کی مانند ہیں جس پر جو روشنی بھی پڑے گی وہ واپس لوٹ کر آئے گی۔اسی طرح آپؐ پر درود ایک روشنی کی مانند ہے جو پھر بھیجنے والے کے قلب پر لوٹ کر اترتے ہوئے اُسے صاف اور محبت رسولؐ سے لبریز کردیتی ہے۔

کسی فرد کا درود شریف بھیجنے کا معیار نبی کریم صلعم سے محبت کی علامت ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے ایک رات اتنی کثرت کے ساتھ آپؐ پر درود بھیجا کہ آپؑ کو خواب میں دکھایا گیا جسے آپؑ نے "براہین احمدیہ" میں یوں تحریر کیا:

"ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا اسی رات خواب میں دیکھا کہ آب زلال (صاف

شفاف پانی) کی شکل پر نور کی مشقیں (فرشتے) اس عاجز کے مکان میں لیے آتے ہیں اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں''۔

## حضرت مسیح موعودؑ کی حضرت محمد صلعم پر درود بھیجنے میں مداومت اور آپؑ کی تحریرات عشقِ رسول کی عکاسی کرتی ہیں:

حضرت مسیح موعودؑ کی محبت آنحضرت صلعم کے ساتھ آپؑ کی کتب، تحریرات، اشعار، روزمرہ کی گفتگو میں نمایاں ہیں۔

جیسا کہ آپؑ کی نظم جس کے منتخب اشعار رسول کریم صلعم کے ساتھ اشد محبت اور عقیدت کے عکاس ہیں:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے
پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اس کی ثناء یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

## قرآن کے ترجمہ کو سیکھنے کی اہمیت:

دو تین دن پہلے میں نے جامع ملتان میں مشاہدہ کیا کہ وہاں پر نوجوان حافظ صاحب جو بچوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے وہ شروع سے ہی بچوں کو ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھا رہے تھے۔ اس طریقہ سے میں بہت متاثر ہوا۔ اگر ہم قرآن کے معنی ہی نہیں سمجھیں گے تو اس پر عمل پیرا کیسے ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو بھی ذکر کرے درود شریف پڑھے یا جب نماز پڑھے تو اس کے معنی سے آگاہی رکھتے ہوئے ادا کرے۔

درود شریف کو پڑھتے ہوئے یہ خیال رہنا چاہیے کہ آنحضرت صلعم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیج رہے ہیں اور اس عظیم محفل میں ہمارے جیسے کمزور لوگ بھی شامل ہیں اور یوں جہاں پر اللہ اور اس کے فرشتے حاضر ہیں وہاں ہم بھی روحانی طور پر موجود ہیں۔ جتنا زیادہ اس کو پڑھیں گے اتنا ہی دل کی صفائی ہوگی۔ اور صاف دلوں میں اللہ تعالیٰ کا بسیرا ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ فاذ کرونی اذکر کم (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ سورۃ البقرہ آیت 152) درود شریف پڑھتے رہنا بھی ذکر الٰہی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

حضرت اقدسؑ کا عاشق رسول ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؑ نے اپنی شرائط بیعت میں رسولؐ پر درود بھیجنے میں مداومت اختیار کرنے کو شامل فرمایا ہے''۔ اگر نعوذ باللہ حضرت مسیح موعودؑ نبی کریم صلعم کے بعد دعویٰ نبوت کرتے تو اُن کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ وہ اپنی بیعت میں درود شریف کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے۔

## عیدِ میلاد منانے کا تاریخی پسِ منظر:

اگر ہم عید میلاد منانے کی تاریخ پر غور کریں تو یہ احمدی بزرگوں نے شروع کروائی تھی تا کہ رسول کریم صلعم کی حیاتِ مبارکہ کی یاد دہانی ہوتی رہے اور اس طرح آپؐ کے پاک نمونہ پر عمل بھی کیا جائے اور آپؐ سے محبت کو فروغ بھی دیا جائے۔ اُس وقت تمام علماء نے اِسے احمدیوں کی بدعت قرار دیا کہ انہوں نے رسول کریم صلعم کی ولادت کو بھی منانا شروع کر دیا ہے۔ لیکن آج کل بدعت جس کو ہم سمجھتے ہیں اس کا بھرپور نمونہ وہ خود قائم کر رہے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا نمونہ اختیار کرنا ہے کہ اس دن اور ہمیشہ ہمیں درود شریف رسول کریم صلعم پر بھیجتے رہنا چاہیے اور اُن کے پاک نمونہ پر عمل پیرا رہنا چاہیے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 15)

# عصرِ حاضر اور ہمارا جماعتی تشخص

## انتخاب واضافہ: فضل حق (اسسٹنٹ سیکرٹری)

دنیا کے بدلتے حالات اور دینی تحریکوں کے کردار کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں گذشتہ دوسو سال کی تاریخ کے اوراق پلٹنا ہوں گے تاکہ ہمیں اتنے عرصے میں موجود جماعتوں، تحریکوں اور ان کی فکر کے بارے میں معلوم ہو سکے اور ہم یہ جان سکیں کہ وہ کیا عوامل واسباب تھے جن کی بناء پر وہ تحریکیں اور جماعتیں معاشرے میں نتائج واثرات پیدا کرنے میں ناکام رہیں تاکہ عصر حاضر میں ان عوامل سے بچا جاسکے۔ اس اثنا میں احیائے اسلام کے لئے جتنی بھی جدوجہد ہوتی رہی ہیں، ہم انہیں سمجھنے کے لے مختلف حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱): تحریکوں یا جماعتوں کا ایک طبقہ سلفی تحاریک پر مشتمل تھا۔ پوری دنیا میں چاہے عرب ہو یا عجم سلفی تحاریک کا بنیادی تصور یہ تھا کہ اسلام یا اُمت مسلمہ آج اس لئے کمزور اور زوال پذیر ہے کہ ہم قرآن وسنت، شریعت یعنی دین کی اصل شکل سے ہٹ گئے ہیں۔ اُمت میں بدعت کا تصور وجود میں آ گیا ہے اور اسلام کے اصل تصور سے ہم ہٹ گئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم اس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ اس فکر کی حامل بہت سی تحریکیں مختلف ممالک افریقہ، سعودی عرب اور دیگر ممالک میں اُٹھیں۔ سوڈان، لیبیا اور مصر میں یہ تحریک اخوان المسلمین کی شکل میں سامنے آئی۔

(۲): سلفی تحاریک کے برعکس ایک دوسرا طبقہ اُٹھا جو کہ نہایت سیکولر تھا۔ یہ طبقہ دوسری انتہاء پر تھا۔ اس طبقے نے جو تحریکیں قائم کیں، انہیں ہم سیکولر تحریکیں کہہ سکتے ہیں۔ اُن تحریکوں میں عالم مشرق کے اہل علم بھی تھے اور عالم مغرب میں مقیم مستشرقین سے متاثر ہونے والے بھی تھے۔ ان شخصیات نے اسلام کا تنقیدی جائزہ لینا شروع کیا اور سلفی تحاریک کے برعکس وہ دوسری حد پر پہنچ گئے یہاں تک کہ قرآن وسنت کے حجت ہونے کو بھی چیلنج کرنے لگے اور احادیث مبارکہ کی اہمیت، فقہاء اور مذاہب کی ضرورت پر بھی سوال اُٹھانے لگ گئے۔ الغرض اُنہوں نے اسلام کی تقریباً ہر ہر چیز کو چیلنج کرنا شروع کر دیا۔

(۳): تیسرا طبقہ لبرل تحاریک کا ہے۔ ان کے نزدیک اُمتِ مسلمہ کے زوال کا مسئلہ ''سیاسی'' ہے۔

محترم قارئین کرام یہ حقیقت پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ہمارے سامنے مسلمانوں کی تاریخ میں بہت سے ایسے لوگ آئے جنہوں نے اسلام کی دوبارہ تجدید کی سعی کی۔ ان کے ماننے والے ان افراد کو مجدد کا لقب بھی دیتے ہیں۔ اگر تاریخ میں دیکھا جائے تو امام حنبل اور امام ابن تیمیہ نے بنیاد پرستی کی تحاریک شروع کیں۔ اس وقت ان تحریکوں کا بنیادی مقصد حکومت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ عجمی ثقافت جو مسلمانوں میں اثر پذیر ہو رہی تھی اس کو اسلام سے خارج کرنا تھا۔ جدید دور میں حجاز میں اُٹھنے والی وہابی تحریک کے اندر بھی کچھ اس قسم کی روح تھی لیکن یہ تحریک آج تک بالواسطہ طور پر اہل سعود کے ذریعے سے حکومت کر رہی ہے۔

جبکہ اگر دوسرے اسلامی ممالک میں دیکھا جائے تو بنیاد پرستی کی تحریکیں مغرب کے استعمار کے ردعمل میں وجود میں آئیں۔ اسلامی ممالک میں مصر کی اخوان المسلمین اور ایران میں امام خمینی کی تحریکیں حکومت حاصل کرنے میں کامیاب تو ہوگئیں مگر اپنے نظام کو خالص اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے میں ناکام رہیں۔ امام خمینی کی تحریک، سعودیہ بھی وہابی تحریک تو آج بھی حکومت کر رہی ہیں مگر اخوان المسلمین ایک دو سال سے زیادہ حکومت نہ کرسکی۔ اسی طرح افغانستان میں سرد جنگ کے بعد طالبان کی حکومت قائم ہوئی تاہم یہ حکومت اپنے ہی ملک کے باشندوں پر سختیاں کرنے لگی اور ملک میں اقتدار کے

لئے دوگروپوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی اور نائن الیون کے بعد جو کچھ ہوا اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سی مثالیں ہیں کہ کیسے تحریکیں دجال کے جال میں پھنس جاتی ہیں اور مشکلات کا شکار ہوکر اپنے اعلیٰ مقاصد سے دور ہوجاتی ہیں۔مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایسی شخصیات بھی نظر آتی ہیں کہ جنہوں نے وقتی واقعات میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے کی بجائے اپنی تمام تر توجہ اپنے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے پر ہی مرکوز رکھیں۔

محترم قارئین کرام! یہ حقیقت پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ہر جماعت اور تحریک ایک فرقہ نہیں ہوتی۔ جو تحریکیں اور جماعتیں اپنے آپ کو ایک فرقہ سمجھنے لگتی ہیں یا مخالفین کے فرقہ واریت کے الزام کے زیرِ اثر شکوک کا شکار ہوجاتی ہیں۔ وہ مستقبل قریب ہی میں بربادی اور انتشار کا شکار ہوجاتی ہیں۔ ہمارے سامنے بیشمار ایسی جماعتیں یا تنظیمیں موجود ہیں۔ جو سختی سے اپنے مقاصد کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔لیکن اپنے جداگانہ مقاصد اور طریق کار کے باوجود یہ جماعتیں اپنے آپ کو اُمت مسلمہ میں ایک فرقہ نہیں سمجھتیں حالانکہ ان کا الگ الگ وجود ہے۔

احمدیہ انجمن لاہور ایک ایسی ہی جماعت ہے جس کے واضح مقاصد اور طریق کار ہیں، ان مقاصد اور طریق کار نے اس جماعت کو ایک وجود عطا کررکھا ہے جس کی بقاء، استحکام اور ترقی کا انحصار ان مقاصد سے وفاداری اور طریق کار سے وابستگی پر ہے۔ یہی وجود یا تشخص ہی اس جماعت کو دوسری جماعتوں سے ممتاز یا منفرد کرتا ہے۔اس کے مقاصد یقیناً ایک فرقہ کی اساس نہیں، لیکن ان کا طریقِ حصول اور اراکین سے ایک خاص طرزِ زندگی کا تقاضا اسے دوسروں سے نمایاں کرتا ہے۔اور اگر یہ مقاصد اسلام کے مطابق ہیں تو پھر یہ تشخص اٹل ہے اور اس کی بقاء کے لئے کوئی بھی قربانی بڑی نہیں۔

اس جماعت کے پیشِ نظر دو عظیم مقاصد ہیں:

(۱): دنیا بھر کے مسلمانوں کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنا

(۲): دلائل و براہین کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قرآن حکیم کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ورسالت دنیا کی غیر مسلم اقوام تک پہنچانا۔

یہ جماعت من الوجوہ دوسری انجمنوں اور جماعتوں سے مختلف اور ممتاز ہے اور اس امتیاز کو اس نے اپنی گذشتہ 108 سالہ زندگی میں اپنی انفرادی اور اجتماعی اعمال اور جماعتی مساعی سے برقرار رکھا ہے۔

دوسری دینی جماعتوں کی طرح اس کی غرض و غایت بھی اعلائے کلمتہ الاسلام ہے لیکن اس کی اساس وتنظیم کسی فرد واحد کے غور وفکر کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی اساس قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور بشارات پر رکھی گئی۔ان پیشگوئیوں کے مصداق مجدد زماں، مسیح موعود، مہدی معہود حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو ایک کلمہ طیبہ کے مرکز پر جمع کرنے اور اسلام کو براہین ساطعہ اور نشاناتِ آسمانی کے ذریعے اقوام عالم تک پہنچانے کی خاطر جماعت احمدیہ کو قائم کیا اور کوئی عقلمند انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں مقاصد کسی نئے فرقہ کی اساس قرار دیئے جاسکتے ہیں۔بعض دوسری جماعتوں کے بھی اس سے ملتے جلتے مقاصد ہوسکتے ہیں۔لیکن ہمارا یقین ہے کہ کامیابی صرف اسی جماعت کے مقدر میں ہے جس کی اساس وارشادات سماوی پر ہے۔جس کی پشت پر خدا، قرآن اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید موجود ہے اور اس تائید کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ گذشتہ 108 سال کے عرصے میں اتحاد اور اشاعت اسلام کے مقاصد کے لئے جس قدر جماعتیں عالم وجود میں آئیں۔اُن میں سے ہماری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعتوں کا نام ونشان تک بھی باقی نہیں جس کی تاریخ گواہ ہے جب کہ ہماری جماعت جن مقاصد کو لے کر اُٹھی نہ صرف ان پر قائم ہے بلکہ بتدریج کامیابی کے ساتھ اُن کے دائرہ عمل واثر میں اضافہ ہورہا ہے۔اور گو افراد اپنے اپنے ایمان کی کمی بیشی کی نسبت سے رحمتِ خداوندی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔تاہم تحریک کی توانائی اپنے آسمانی تعلق کی

علامت ہے۔

اس جماعت کے وجود کو داناؤں نے شرکت وتعاون اور معاندین نے شدید مخالفت سے تسلیم کیا ہے۔ لیکن کسی کو انکار کی جرات نہیں ہوئی اور اسی حقیقت کا اعتراف کئے بغیر کون رہ سکتا ہے۔ کہ اس تحریک کے اراکین نے خدا پرستی، تعلق باللہ، خوش خلقی اور اسلامی تڑپ کے بہترین نمونے دکھائے۔ اور اس کا مرکز دنیا کو اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ نظر آیا جس کے ماتھے کی شکن سے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔ اس جماعت نے مغرب ومشرق کی مشہور زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم کئے، اسلامی تعلیمات وسیرت پر کتب دنیا کے کونے کونے میں مفت پہنچائیں۔ جس کے مبلغین آج بھی اقصائے عالم میں اسلامی تعلیمات کے انوار پھیلا رہے ہیں۔ جس کا ظاہری نمونہ ہمیں امام برلن جناب عامر عزیز صاحب اور دوسرے مبلغین کی شکل میں نظر آرہا ہے کہ کس طرح وہ احمدیہ انجمن لاہور کے اعلیٰ مقاصد کو پھیلانے میں کوشاں ہیں جس کی وجہ سے آئے دن دین اسلام کے حصولِ علم کی تڑپ بڑھتی جارہی ہے اور اس تمام کامیابی کی پشت پر ہر فرد جماعت کے قلب میں یہ یقین ہے کہ یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق قائم کی گئی ہے اور آخری زمانے میں اسلام کا جو غلبہ مقدر ہے وہ اسی جماعت کے ذریعہ ہوگا یہی جماعت کسرِ صلیب کرے گی اور اس کی مساعی سے دنیا بالآخر اسلام کی آغوش میں پناہ لے گی۔

## ہمارا جماعتی امتیاز

یہ مقاصد اور طریق کار ہماری جماعت کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں ہم گذشتہ 108 سال سے اعلان کر رہے ہیں کہ:

(۱): کوئی بھی کلمہ گو کافر نہیں، کیونکہ کلمہ طیبہ پڑھ کر کافر تک مسلمان ہوجاتا ہے پس اسے پڑھ کر ایک مسلمان کیسے کافر ہوسکتا ہے۔

(۲): حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا اور نہ کوئی پرانا۔ وہی نبوت رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

(۳): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے اس اُمت کے نیک افراد ولایت کا مقام حاصل کرتے ہیں ایسے افراد کو اللہ کی طرف سے بشارات ملتی ہیں۔ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور ان پر قرآن حکیم کے معارف کھولے جاتے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب ان میں سے ایک تھے۔

(۴): ان ہی اولیاء میں سے اللہ تعالیٰ بعض کو اسلام کی حفاظت کے لئے چنتا رہتا ہے۔ ایسے اولیاء کو مجدد کہتے ہیں۔ ایسے مجدد ہر صدی کے سر پر موجود چلے آئے ہیں اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا صاحب تھے۔

(۵): اس زمانے میں عیسائیوں کا غلبہ ہوگیا ہے۔ اس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد کو مسیح کا خطاب دیا ہے۔

(۶): کسی ولی کی ولایت یا مجددیت کے انکار سے کوئی کلمہ گو کافر نہیں ہوتا۔ البتہ جو شخص اسلام کی حفاظت کے لئے اپنے زمانے کے مجدد کا ساتھ نہیں دیتا وہ ان برکات سے محروم رہتا ہے جو اسلام کی خدمت سے وابستہ ہیں اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

## اہل قادیان سے اختلاف

(۱): جماعت قادیان کا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آسکتے ہیں۔ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب بھی ایک نبی تھے۔

(۲): جو شخص حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے برعکس احمدیہ انجمن لاہور کا ایمان ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز نبوت کا دعوی نہیں کیا۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کو کافر نہیں ٹھہرایا۔ آپ نے وحی ولایت کا دعویٰ کیا اور وحی نبوت اور رسالت کا ہمیشہ انکار کیا۔ نبی کے برعکس اپنے آپ کو محدث بتایا۔ اور ہمیشہ زمرۂ اولیاء میں شمار کیا۔

ہماری جماعت 1914ء میں اہل قادیان سے اس بات پر الگ ہوئی کہ انہوں نے بانی جماعت کے عقائد سے ہٹ کر اجرائے نبوت اور تکفیر المسلمین کا عقیدہ اختیار کیا۔ گذشتہ 108 سال میں ہماری جماعت نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی ختم رسالت اور رد تکفیر اہل قبلہ کے متعلق لاکھوں کتابیں شائع کیں، ہمارے اخبارات اور رسالے ہمیشہ ان کے عقائد کی تردید کرتے چلے آ رہے ہیں اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ختم رسالت پر ہم نے جس قدر مواد شائع کیا ہے دوسری اسلامی جماعتوں نے اس کا پچاسواں حصہ بھی شائع نہیں کیا۔ زمانے کا ستم دیکھیں کہ پھر بھی ہم پر فتویٰ کفر کی تلوار لٹکی ہوئی ہے اور ہمیں اس وطنِ عزیز میں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ ایسے لوگ جو کہ ایک ایسے نبی کے آنے کے منتظر ہیں جن کو قرآن حکیم کی روشنی میں صرف بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

ہمارے عقائد ہمارے مقاصد اور ہمارا طریق کار کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس سے زیادہ حق دشمن اور احمق شخص کوئی نہیں جو اپنے متعلق تو یہ اُمید رکھتا ہے کہ وہ جس بات پر ایمان بیان کرتا ہے۔ لوگ اسے بلا تردید و تنقیح تسلیم کر لیں۔ لیکن دوسروں کے ایک صدی پر پھیلے ہوئے متواتر اعلانات و اقرار کو تسلیم کرنے سے ڈھٹائی کے ساتھ انکار کرتا چلا جائے۔ خاص کر اس صورت میں کہ غیر از جماعت لوگ مطالعہ اور غور و فکر کے بعد ہمارے عقائد و مقاصد کی صحت کو تسلیم کر کے ہمارے ساتھ شرکت کرتے رہتے ہیں۔

لیکن ہمارے جماعتی تشخص اور موقف کی بنیاد قرآن و سنت ہے۔ کسی فرد کی خوشنودی اور ناراضی ہمیں جادۂ استقامت، استقلال اور حق سے متزلزل نہیں کر سکتی، ہم ہر قیمت پر اپنے جماعتی وجود کو قائم رکھے چلے آئے ہیں اور رکھے چلے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی رُکن ہمارے عقائد سے کُلی اتفاق نہ رکھتا ہو اور اسے ہمارے جماعتی تشخص پر ایمان ہو ایسے لوگ نہ اپنے خیر خواہ ہیں نہ جماعت سے وفاداری رکھتے ہیں اور نہ ہی اسلام کے سچے خادم ہیں ایسے لوگ اطمینان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ اور وہ جس قدر جلد احتساب نفس کر کے جادۂ حق پر قائم ہو جائیں ان کے لئے بہتر ہے۔

جماعتی تشخص کو دو طریق سے ضعف پہنچتا ہے اور اگر ان ہر دو طریق پر کڑی نظر نہ رکھی جائے تو جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے کہ جماعتوں میں ایسے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جو منافق طبع ہوتے ہیں یا بعض طبائع میں دھن کسل اور بزدلی سرایت کر جاتی ہے، ایسے لوگ یوسوس فی صدور الناس کے مصداق ایسے طریقوں کو ہوا دیتے ہیں۔ جو ذہنی انتشار اور عقائد کے متعلق بے یقینی پیدا کرتے ہیں۔ خود غرضی اور ہوائے نفس پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ ذاتی خواہشات، ستائش باہمی اور خوشامد پر جماعتی مصلحتوں اور استحکام کو قربان کرتے ہیں اور خرابیوں پر نشتر زنی کی بجائے پردہ پوشی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور جماعت کے افراد ذاتی تعلقات کی خاطر ان کے وجود کو برداشت کرتے ہیں اور نتیجہ ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور کوئی زندہ جماعت ایسے افراد کو اپنے درمیان شر پسندی کے لئے چھوڑ نہیں دیتی۔

ضعف کی دوسری صورت افراد میں مصلحت کوشی، بزدلی اور ہر دلعزیزی کا مرض ہے۔ اس کی ایک وجہ تو اپنے مقاصد کے متعلق بے یقینی ہوتی ہے۔ دوسرے ان میں مخالفت برداشت کرنے کی استعداد نہیں ہوتی، اور تیسرے وہ ذاتی تعلقات کو جماعتی مقاصد پر ترجیح دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ جماعتی زندگی میں عضو معطل ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی اولاد جماعت سے دور ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے یقین و عمل سے دوسروں کو متاثر کرنے کی بجائے خود ان سے متاثر ہو کر ختم ہو جاتے ہیں لیکن ان کی اس کمزوری میں مرکز اور جماعت کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔ جب مرکز اپنے اراکین کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا، ان کے دُکھ سکھ میں شریک نہیں ہوتا ان سے کما حقہ، رابطہ قائم نہیں رکھتا، اور انہیں اپنے اپنے مقامات میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اُن سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اُن سے محض توقعات رکھتا ہے۔ توقعات دلاتا نہیں، تو ایک کمزور، بے بس، مخالفین میں گھرا ہوا انسان کب تک حوادث و مخالفت کے جھگڑوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ شاخِ بریدہ کی طرح خشک ہو کر ہمیشہ کے لئے بیکار ہو جاتا ہے۔ اور کسی تنظیم کی موت کی یہ بہت بڑی علامت ہے اور جماعتی تشخص پر ضرب کاری سے کم نہیں۔

☆☆☆☆

تینتیسویں قسط

# سوانح حیات حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم و مغفور

## ''حیاتِ سعید''

## باب: دوازدہم (حصہ دوم)

از: صفیہ سعید

### اندرون ملک دوروں کا سلسلہ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے مرکزی انجمن کے فیصلوں کے مطابق پاکستان کی مختلف جماعتوں میں دوروں کا ایک پروگرام تشکیل دیا۔ ان ایام میں جماعت ایک دورِ انحطاط سے دوچار تھی۔ آپ کی ولولہ انگیز قیادت، اس انحطاط اور جمود سے جماعت کو نکالنے میں کامیاب رہی اور جماعت احمدیہ کے افراد کو نئے ارادوں سے ہم آہنگ کیا اس کے لئے عمر کے اس حصے میں، دور دراز علاقوں کے دشوار سفر آپ نے بخوشی قبول فرمائے اور اپنے عزم اور جواں ہمتی کے سامنے مسافتوں کو سمٹتے ہوئے پایا۔ آپ سرگودھا تشریف لے گئے تو جن حالات میں آپ نے یہ سفر کیا وہ بہت کٹھن تھا مگر آپ اُس کا اظہار جس خوشدلی سے کرتے ہیں وہ آپ کی تحریر سے پیش خدمت ہے۔

''3 اپریل 1975ء کو چک 81 جنوبی ضلع سرگودھا کا دورہ کرنے کا وہاں کی جماعت کی خواہش پر عزم کیا۔ سفر میں اللہ کی خاص عنایات شامل حال دیکھیں۔ 11:00 بجے کے قریب منصور احمد نے سٹیشن پر پہنچانے کی، از خود خواہش بذریعہ ٹیلی فون کی۔ پونے چار بجے ریل پر چڑھا دیا۔ 9:30 بجے رات، سرگودھا سٹیشن پر چوہدری عزیز احمد صاحب موٹر لے کر آئے ہوئے تھے۔ رات بہت آرام ملا۔ نمازِ فجر کے بعد گفتگو سلسلہ کی ہوئی۔ پروفیسر خلیل الرحمان ہمراہ تھے 9:00 بجے صبح چک 81 اپنی موٹر میں پہنچا دیا۔ بہت خلوص اہلِ چک و جماعت نے دکھایا۔ جمعہ کے خطبہ میں تائیدِ الٰہی ساتھ پائی۔ شام واپسی سرگودھا کے لئے آئے تو بس اُسی وقت پہنچی دو منٹ کا توقف بھی نہ ہوا۔

5 اپریل 1975ء نماز کے بعد چوہدری عزیز احمد صاحب نے سٹیشن پہنچایا۔ ''اللھم فرلی واختری'' کی دُعا کے بعد سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ فرسٹ کلاس سے زیادہ آرام پایا۔ لاہور سٹیشن پر 11:00 بجے پہنچے تو ایک نئے راستہ سے بھیڑ کے ساتھ ہی سٹیشن سے نکلے تو رکشہ تیار ملا۔ بخیر و عافیت گھر دارالسلام پہنچ کر اللہ کا شکر کیا ہر قدم پر اللہ کی حفاظت ساتھ محسوس ہوئی الحمد اللہ۔''

### چند دیگر مقامات کے دورے

17 مئی کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب پشاور جلسے میں شرکت کے لئے بذریعہ خیبر میل تشریف لے گئے۔ آپ کا وہاں جلسے میں شرکت فرمانا اور ملاقاتیں جماعت کے لئے تقویت کا باعث ثابت ہوئیں۔ آپ ماہ جون میں راولپنڈی اور ایبٹ آباد بھی تشریف لے گئے تھے۔

### کوئٹہ کا سفر جولائی 1975ء اور بیرون ملک روانگی

میجر جنرل عبد اللہ سعید، کوئٹہ میں تھے، اُن کے یہاں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے چند ہفتے قیام فرمایا۔ عبد اللہ سعید کے علاوہ آپ کے داماد، کرنل شوکت محمود اور فرزند، محمد سعید بھی کوئٹہ میں موجود تھے۔ وہاں آپ نے باقاعدگی سے نماز جمعہ کا اہتمام فرمایا جس میں جماعت کے سبھی افراد شریک ہوتے تھے۔

سب نے اپنی اپنی اقامت گاہوں پر جمعہ کے اجتماعات کے اہتمام کا شرف حاصل کیا۔

مرکزی انجمن کی طرف سے آپ انگلستان میں منعقد ہونے والی کنونشن میں بطورِ مندوب نامزد ہوئے، اس لئے آپ کوئٹہ سے کراچی گئے، وہاں کے چندروز قیام میں جماعت کے احباب سے ملاقات فرمائی اور انگلستان اور جزائر غرب الہند کے کامیاب دورے کے بعد واپس مرکز میں تشریف فرما ہوئے۔

## لاہور میں استقبال

4 اکتوبر 1975ء کو آپ لاہور پہنچے تو ہوائی اڈے پر آپ کا پرجوش استقبال کیا گیا۔

## ڈاکٹر سعید احمد خان کی تحریر سے اقتباس

’’12:30 بجے جہاز لاہور پہنچا۔ ہوائی اڈے پر جملہ عزیز ان اور جماعت کے کئی احباب آئے ہوئے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر دِل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا۔ گھنٹہ سامان کی آمد تک لگ گیا۔ جونہی دروازہ کھلا، میاں فضل احمد، ہار ہاتھ میں لئے آگے بڑھے۔ اور میرے ہاتھ سے سامان لے لیا اور گرم جوشی سے بغلگیر ہوئے۔ باہر اپنے سب عزیز، فاروقی صاحب سب سے آگے اور احباب صف بستہ کھڑے تھے۔ پھر مستورات علیحدہ کھڑی تھیں اتنے پرخلوص چہروں کی حقیقی دلی مسرت دیکھ کر سفر کی سب کوفت دور ہوگئی۔ الحمدللہ‘‘

## اہالیان دارالسلام کی طرف سے ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام

حضرت ڈاکٹر صاحب کی وطن واپسی پر دارالسلام میں، ایک دعوتِ عصرانہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں بعض دوسرے مقامات کے احباب بھی شریک ہوئے۔ شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے، جو اُس وقت شبان الاحمدیہ کے صدر تھے، بہت خوبصورت انداز میں سپاسنامہ پیش کیا۔ اور اُن کے دورے کے تاثرات سننے کے اشتیاق کا بھی اظہار کیا اور اہالیان دارالسلام کی طرف سے اُن سے عقیدت اور محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

’’جب ڈاکٹر صاحب اس دورے کے سلسلے میں دارالسلام سے چلے گئے تو ہم نے ان کی عدم موجودگی کو شدت سے محسوس کیا۔ ہم اپنی نمازوں میں ان کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتے رہے کیونکہ ہماری توقعات کافی حد تک، اب اپنے بیرونی مشنوں سے وابستہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس دورے کا اچھا اثر لے کر آئے ہیں۔ مجھے اور آپ سب کو ان کے دورے کے تاثرات سننے کا بے حد اشتیاق ہے لہذا میں اپنی تقریر کو طویل کر کے آپ کے اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان زیادہ دیر حائل رہنا نہیں چاہتا اس لئے میں جناب ڈاکٹر صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تشریف لا کر اپنے قیمتی خیالات سے ہمیں نوازیں‘‘۔

## اہالیان دارالسلام سے محبت کا اظہار

ڈاکٹر صاحب نے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے جو فرمایا تھا وہ اہالیان دارالسلام اور اس بستی سے محبت کا دلی اظہار ہے۔

☆☆☆☆

سپاسنامہ کے جواب میں جناب ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے میرے بھائی شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے اہالیان دارالسلام کی ترجمانی میں جن نیک جذبات وخیالات کا اپنے سپاسنامہ میں اظہار کیا ہے میں ان جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ میرے دل میں بھی دارالسلام میں مقیم لوگوں کی بڑی محبت ہے اور وطن سے ہزاروں میل دُور لندن میں بیٹھ کر بھی آپ کی محبت کا جب تصور کرتا تھا۔ تو میرا دل جذباتِ تشکر سے بھر جاتا تھا۔ اور میری کیفیت یہ ہوتی تھی کہ:

’’تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کئی قسم کے جذبات وخیالات دل میں اُبھرتے تھے۔ سب سے بڑا جذبہ یہی تھا اور اللہ تعالیٰ سے یہی ہر وقت دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے لطف وکرم کی بارش اس پر نازل کرے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں اگر وہ ہمارے لئے کفارہ بن جائیں اور اب جس بستی میں میں آباد ہوا ہوں۔

اس کے لوگ تیری رضا کی راہوں پر چلنے والے ہوں تو مجھے اپنے گذشتہ نقصانات کا کوئی رنج اور غم نہیں ہے''۔

## جماعت کے اندرونی مسائل ومصائب

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی زندگی کے ہر دور میں، محبتوں اور نفرتوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ جہاں آپ پر پھول نچھاور کئے گئے وہیں کانٹے بھی بوئے گئے۔ مگر گذشتہ ادوار اور اس دور میں فرق یہ تھا کہ اب پھول نچھاور کرنے والے بھی اپنے تھے اور راہ میں کانٹے بچھانے والے بھی اپنے ہی تھے، اس سے قبل آپ کے ایذا رساں، آپ کے دنیاوی مناصب سے حاسد تھے یا مذہبی تعصب کا شکار افراد تھے۔ مگر اب اپنی ہی جماعت سے تعلق رکھنے والے اپنے ہی لوگ تھے۔ جماعت احمدیہ لاہور میں کچھ ایسے عناصر ہو چکے تھے یا داخل کئے جا چکے تھے جن کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی لاہور میں آمد، اس وجہ سے ناگوار تھی کیونکہ اس طرح ان کے اپنے منصوبے معرضِ خطر میں پڑ چکے تھے۔ اور وہ لاہور کو اپنی آماجگاہ بنانے میں ناکام ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس گروہ کی طرف سے باقاعدہ منظّم طریقے پر شرارت کا آغاز بذریعہ ایذا رساں خطوط اور پمفلٹس کی تقسیم سے کر دیا گیا تھا۔ یہ ایک طالع آزما گروہ تھا جو اپنی ہوشیاری سے بعض سرکردہ ممبرانِ جماعت پر اثر انداز ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو وہ یہ دھمکی دینے سے بھی باز نہ آئے تھے کہ جس طرح ایبٹ آباد سے بھاگ کر یہاں آئے ہو تم یہاں سے بھی بھاگنے پر مجبور کر دیئے جاؤ گے اور پھر تمہیں کہیں اور ٹھکانہ نہ ملے گا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اپنی نیکی، تقویٰ، عاجزی اور انکساری کی وجہ سے جماعت میں ایک مقام حاصل تھا اور جماعت کے مخلص افراد کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی تھی۔ آپ کی صورت میں اُنہیں ایک ایسا رہنما نظر آ رہا تھا جو جماعت احمدیہ کو موجودہ خستہ حالی سے نکالنے کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ آپ کے درپئے آزار تھے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو ہر وقت جماعت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اپنی نیم شبی دُعاؤں میں اُن کا نالہ وفریاد صرف اور صرف جماعت کی بقا اور سلامتی کے لئے ہوتا تھا اور یہی ایک ہتھیار تھا جو اُن کے ارادوں کو قوت بخشتا تھا۔ ایسے میں اُن کی فریاد کے جواب میں اُن کو بارگاہِ الٰہی سے جماعت کی سلامتی کی بشارت، آپ کی ڈائری کی تحریر میں موجود ہے:

## 23 اکتوبر 1975ء

''بعد از نمازِ فجر، سیر اور تلاوت کے بعد سو گیا۔ خواب میں ایک پرانا ڈاک کا لفافہ، جس پر میرا پتہ لکھا ہوا ہے، گھر کے کسی فرد کے ہاتھ میں تھا (یہ یاد نہیں کہ کون فرد ہے) لفافے کی دوسری یا تیسری لائن (پتہ) کے آخری الفاظ یہ ہیں ''جماعت احمدیہ سلامت''

شب گذشتہ کی نمازِ تہجد میں خصوصیت سے گریہ زاری کا موقعہ ملا تھا، جو تمام تر اپنی جماعت کی خستہ حالی کی وجہ سے تھا، اور اُس کی اصلاح کے خارجی اور اندرونی مصائب کے سلسلہ میں تھا۔ یا ارحم الراحمین ہم بے بسوں کا آسراء سوائے تیری ذات کے دنیا میں کون ہے۔ رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين۔

یہ جماعت کے اندرونی فتنوں کے ابتدائی مراحل تھے۔ دلآزار خطوط اور پمفلٹ تقسیم کرنے کا سلسلہ لامتناہی تھا اور سالہا سال تک چلتا رہا۔ اہالیانِ دارالسلام کو اُکسایا جاتا رہا، الزام تراشیاں ہوتی رہیں۔ مگر آپ کا وہی صبر وتحمل، وہی شفقت اور وہی مروت برقرار رہی۔ ناموافق حالات کے باوجود 'دارالسلام' اور اس میں منعقد ہونے والی تقریبات اور اجلاس کی رونقوں میں اضافہ ہوتا نظر آتا تھا۔ اور جماعت، آپ کے بابرکت وجود سے برکات حاصل کرتی ہوئی مضبوطی سے آگے قدم بڑھا رہی تھی۔ وہ جماعت، جو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی نظر آتی تھی، اور اُس کے مستقبل کے بارے میں خدشات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اب آپ کی ہمت سے اس میں زندگی کے آثار نظر آتے تھے۔ اعظم علوی صاحب کا ایک شعر:

اُس کی ہمت ہے کہ سہمے ہوئے چند نفوس
شامل زمرۂ احباب نظر آتے ہیں

## رابطہ دوروں کا سلسلہ

لاہور تشریف آوری کے بعد، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے رابطہ دوروں کے ایک سلسلہ کا آغاز کیا تھا۔ یہ سلسلہ آئندہ آنے والے برسوں میں بدستور قائم

رکھا۔بعض اوقات ان کا سفر ذاتی نوعیت کا بھی ہوتا، تاہم بے حد مصروف ہونے کے باوجود جماعت کے احباب کے لئے وقت نکالنے کی کوشش کرتے تھے اور اُن سے ملاقات کے لئے اُن کی رہائش گاہوں پر تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ جماعت کے اجلاس، جس جگہ بھی منعقد ہوتے آپ اُن میں شرکت کے لئے دور دراز کے سفر اختیار فرماتے۔ احباب جماعت کی طرف سے اگر کسی قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار ہوتا تھا تو اُس کا ازالہ آپ نہایت موثر انداز میں فرماتے تھے اور جماعت کو متحد رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش ضرور فرماتے تھے۔

## بلالی مسلمان رہنما والس ڈی محمد کی مرکز میں آمد

## 22 اپریل 1976ء

جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز رُکن محترم ماسٹر عبد اللہ صاحب کے بلالی مسلمانوں کے سربراہ والس ڈی محمد صاحب سے اچھے ذاتی مراسم تھے۔ ماسٹر عبد اللہ صاحب عرصہ دراز تک فجی میں مقیم رہے تھے۔ اور پھر امریکی شہریت اختیار کر لی تھی۔ والس ڈی محمد احمدیت کے عقائد اور لٹریچر سے بخوبی متعارف تھے اور ماسٹر عبداللہ صاحب کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ جب بلالی رہنما ایک نجی دورے پر پاکستان تشریف لائے تو ماسٹر عبداللہ صاحب اُن کے وفد میں شامل تھے۔ اُنہی کی تحریک پر والس ڈی محمد صاحب لاہور میں جماعت احمدیہ کے مرکز میں تشریف لانے پر آمادہ ہوئے تھے۔

22 اپریل 1976ء کو بلالی رہنما کے اعزاز میں، احمدیہ مرکز دارالسلام میں ایک شاندار جلسہ منعقد کیا گیا۔ حضرت امیر مولوی صدر الدین صاحب، بوجہ کمزوری صحت تشریف فرما نہ ہو سکتے تھے، چنانچہ معزز مہمان کے استقبال کی ذمہ داری بطور نائب صدر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے سپرد ہوئی۔ آپ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں، جماعت احمدیہ لاہور کی غیر متعصّبانہ روایات، ترقی پسندی اور دیگر اہم خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ والس ڈی محمد صاحب نے اپنی جوابی تقریر میں جماعت احمدیہ لاہور کے خالصتاً اسلامی عقائد کی تائید کرتے ہوئے، سونے کی ایک اینٹ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کی اور فرمایا کہ ''اسلام ایک سنہرا دین ہے اس لئے یہ عطیہ اس کی اشاعت کے لئے نہایت موزوں ہے''۔

والس ڈی محمد صاحب نے نمازِ ظہر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے اقتداء میں ادا کی اور جب جماعت عصر کی امامت کے لئے بلالی رہنما سے کہا گیا تو اُنہوں نے اسے اپنے لئے باعثِ اعزاز سمجھتے ہوئے نہایت خوشدلی سے امامت کا فریضہ دیتے ہوئے، جماعت احمدیہ لاہور سے یکجہتی کا اظہار فرمایا۔

## جنرل عبداللہ سعید کی تقرری بطورِ سفیر 1978ء

جنرل عبد اللہ سعید، کوئٹہ میں بطورِ جنرل کمانڈنگ آفیسر تعینات تھے، 1977ء میں جب پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ ہوا تو آپ کو صوبہ بلوچستان کا ''مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر'' مقرر کر دیا گیا۔ اس عہدہ پر، وہ تقریباً ایک سال تک فائز رہے تھے اور صوبہ بلوچستان میں امن وامان کی صورت کی بحالی میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ عبداللہ سعید اپنی فرض شناسی، ایمان داری اور انصاف پسندی کی وجہ سے نہایت ہر دلعزیز تھے۔ وہاں کے قبائلی سرداروں اور دیگر باشندوں کو آپ پر پورا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اس لئے وہاں کے سیاسی معاملات کو سلجھانے میں اُنہوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی، حکومت نے اُن کی خدمات کے اعتراف میں اُنہیں 'تمغہ بسالت' کے خصوصی اعزاز سے نوازا تھا۔

اپنے عمدہ ریکارڈ اور ماہرانہ عسکری صلاحیتوں کی بدولت وہ مزید ترقی کے حقدار تھے اور سوائے سیاسی مصلحتوں کے اور کوئی امر اُن کی ترقی میں مانع نہ تھا۔ فیصلوں کے مجاز، افسرِ اعلیٰ کی طرف سے یہ پیشکش ہوئی کہ لیفٹنٹ جنرل کے عہدہ کے، اگرچہ وہ حقدار ہیں، مگر یہ ترقی اس بات سے مشروط ہوگی کہ وہ 'کور کمانڈر' نہ بنائے جائیں گے بلکہ جنرل ہیڈ کوارٹر میں صرف دفتری کام سرانجام دیں گے۔ بصورت دیگر اُنہیں عہدۂ سفارت پیش کیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ سعید نے متبادل پیش کش کو قبول کیا اور بہت جلد پاکستان سے بحثیت سفیر 'میکسیکو اور کیوبا' روانہ ہو گئے۔ وہاں پر اُنہوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اُن کے اس سفارتی دور میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، خود بھی اُن سے ملاقات کی غرض سے میکسیکو تشریف لے گئے تھے اور اپنے فرزند کی اعلیٰ کارکردگی آپ کے لئے اطمینان اور خوشی کا باعث ہوئی۔ آپ نے عبداللہ سعید سے قرآن کے ہسپانوی زبان میں ترجمہ کے ممکنات پر غور کرنے کے لئے کہا۔ عبداللہ سعید نے بخوشی اسے قبول کیا۔

قرآن کا ہسپانوی ترجمہ عبداللہ سعید کے ہمیشہ زندہ رہنے والے کارناموں میں سے ایک ہے۔

## مظفر احمد سعید کا صدمہ

3 دسمبر 1978ء کو کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا نوجوان سترہ سالہ پوتا مظفر احمد سعید، ایک سفاک کے خنجر کے ایک ہی وار سے، دُنیا سے منہ موڑ گیا۔ یہ اندوہناک واقعہ اُس وقت روپذیر ہوا۔ جب مظفر احمد سعید، جن کا پیار کا نام 'بابا' تھا، اپنے والد ڈاکٹر عبدالحئی سعید کے ہمراہ کوئٹہ سے لاہور روانہ ہو رہے تھے۔ عبدالحئی سعید بورڈنگ کارڈ لے رہے تھے اور 'بابا' اُن کے پیچھے ہاتھ میں بریف کیس تھامے کھڑے تھے۔ عبدالحئی سعید کو کوئی چمکتی ہوئی چیز ہوا میں لہراتی محسوس ہوئی، پلٹ کر دیکھا، تو 'بابا' خون میں نہا رہے تھے۔ سفاک قاتل، اپنا وار کر چکا تھا، خنجر 'بابا' کے سینے میں اُتر چکا تھا، وہ باپ کے بازوؤں میں جھول گئے اور لمحوں میں باپ کی شفقت بھری بانہوں میں ابدی نیند سو گئے۔ باپ کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکلے "Baba! you are leaving as soon"

یعنی ''بابا تم اس قدر جلدی رُخصت ہو رہے ہو'' اور بس اس کے بعد بولنے کی سکت ہی نہ رہی تھی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان اُن دنوں انگلستان میں تھے، چند روز میں واپسی کا ارادہ تھا، اُنہیں اس حادثہ کی اطلاع نہیں ہوئی۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر عزیز اور احباب جماعت موجود تھے، اُداس چہرے غم کے غماز تھے مگر کسی نے آپ سے کچھ کہنے کی جسارت نہ کی۔ آپ محسوس کر رہے تھے کہ یہ تاثر کسی غیر معمولی بات کا غماز ہے، مگر کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔ لاہور کے ہوائی اڈے پر حالات اس سے مختلف نہ تھے، آپ کی پریشانی بڑھ گئی، اس کا حال آپ کے الفاظ میں:

10 دسمبر 1978ء

''پانچ بجے کے قریب لاہور اُترے۔ سب سے پہلے کرنل لطیف جہاز کے پاس ہی ملے۔ ہمارے سامان کے ٹکٹ لے لئے اور ہمیں کہا آپ جائیں لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ زاہد، اکرام، ناصر، سعید سب سے آگے آگے تھے، ملے۔ فاروقی صاحب اور کئی دوست آئے ہوئے تھے۔ کچھ خاموشی سی تھی۔ جب منصور سامنے آیا تو اُس کے چہرے پر غم ہی غم تھا۔ رونے کو تیار تھا۔ ذرا آگے باہر گیا، تو دیوار کے ساتھ لگ کر، مبارکہ اور نزہی کھڑی تھی۔ یہ بھی غمگین سی تھیں، تعجب سا ہوا اور فکر بھی۔ سعید سے پوچھا ''خیر تو ہے؟ کہا ''نہیں، بابا قتل ہو گیا ہے۔ مظفر کو ایک ظالم لڑکے نے کوئٹہ ایئر پورٹ پر چاقو مار کر ہلاک کر دیا ہے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شوکت بھی سعید کی موٹر میں ساتھ بیٹھے اور قصہ سنایا۔ ہم سیدھے عبدالحئی (اس کی ساس کا بنگلہ گلبرگ میں ہے) کے گھر گئے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو میں جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ اور عبدالحئی سے گلے مل کر بہت رویا۔ یہ صدمہ بہت ہی بھاری ہے اللہ تعالیٰ ہی اُن پر آسان کر دے۔ عبدالحئی نے صبر کا بھاری نمونہ دکھایا ہے۔ عطیہ کے پاس لے گئے۔ عطیہ سے گلے ملا۔ مجھے رونا تو آ ہی رہا تھا، وہ چیخ چیخ کر روئی''۔

کچھ دیر تک آپ عبدالحئی سعید کے ساتھ رہے اور پھر اپنا غم لئے، آپ دارالسلام تشریف لے آئے جہاں آپ کے خاندان کے تمام افراد اور احباب جماعت موجود آپ کے منتظر تھے۔ آپ اشکبار تھے مگر ہمیشہ کی طرح صبر و رضا کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

مظفر احمد سعید کے اس صدمہ کے حوالہ سے آپ نے ایک جگہ تحریر فرمایا:

مرا دردیست اندر دل
اگر گویم زباں سوزد

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ترجمہ: ''میرے دل کے اندر ایسا درد پوشیدہ ہے کہ اگر بیان کرنا چاہوں تو زبان چل جائے)

مظفر احمد سعید کے قاتل، عبدالناصر اچکزئی کو، اس واقعہ کے اٹھارہ ماہ بعد مارشل لاء کی عدالت سے سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا تھا۔

نوعمر مظفر احمد سعید کا دنیا سے اس طرح رُخصت ہونا، خاندان بھر کے لئے نا قابلِ برداشت تھا۔ اُن کے قاتل کی سزائے موت سے انصاف کے تقاضے پورے ہو گئے، لیکن عبدالحئی سعید کا گھر 'ادھورا' رہ گیا۔ مشیتِ ایزدی شاید یہی تھی۔ کوئٹہ کی درس گاہ کی فضا 'بابا' کے لئے سازگار نہ تھی، شاید اسی لئے اُنہیں ''دبستانِ

خلیل‘‘میں داخلے کے لئے چن لیا گیا۔

## ملکی سیاست اور بھٹو کا انجام (1979ء)

جولائی 1977ء میں پاکستان کی ملکی سیاست نے ایک اور قلابازی کھائی۔ سیاسی اور مذہبی قوتیں جو ذوالفقار علی بھٹو کو برسر اقتدار لانے میں اُن کی معاون تھیں اور جن کی خوشنودی اور تعاون حاصل کرنے کے لئے جماعت احمدیہ پر ظلم وستم توڑے گئے تھے، وہی اب اُن کے خلاف سرگرم عمل تھیں۔ ملک بھر فسادات کی لپیٹ میں آ گیا، اور اُس وقت کے فوجی سربراہ جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو گرفتار ہو گئے۔ اُن پر محمد احمد قصوری کے قتل میں ملوث ہونے کا مقدمہ چلایا گیا اور مجرم قرار دے کر سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا اور 4 اپریل 1979ء کو اس فیصلے پر عمل درآمد کر دیا گیا۔ اُس وقت نہ عوام جنہیں وہ طاقت کا سرچشمہ قرار دیا کرتے تھے اُن کے کام آئی، نہ مال و دولت اور نہ تعلقات قرابت و رفاقت ہی کام آ سکے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے 24 مارچ 1979ء کو اپنی ڈائری میں تحریر فرمایا تھا:

’’آج سپریم کورٹ آف پاکستان نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کی سزائے موت کے خلاف نظر ثانی کی اپیل بھی مسترد کر دی۔ آج صبح دس بجے یہ آخری فیصلہ سنایا۔

’’آج سے ٹھیک نوے سال پہلے یعنی 23 مارچ 1889ء کو حضرت مرزا احمد صاحب مسیح موعود نے جماعت احمدیہ کے لئے پہلی بیعت لی تھی، یہ ہے ’’نوے سالہ مسئلہ‘‘ کا تکرار، کہ اُس نے حل کیا ہے ’’ان فی ذالک لعبرۃ لاولو الالباب‘‘ (جاری ہے)

☆☆☆☆

بقیہ: **خطبہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز**

ہماری جماعت کے بزرگوں کا یہی عمل رہا اور خاص طور پر حضرت مولانا صدرالدینؒ نے نماز جمعہ کے خطبہ ثانی میں درود شریف کو بلند آواز میں پڑھنے کی نصیحت فرمائی۔ درود کا پڑھنا اپنے دماغ میں یوں قائم رکھیں جیسے مثال دی جاتی ہے کہ گاؤں کی عورتیں اپنے سر کے اوپر پانی کا مٹکا رکھتے ہوئے ساتھ باتیں بھی کر رہی ہوتی ہے لیکن دھیان مٹکے کی طرف ہی رہتا ہے کہ اس پانی کے مٹکے کو ہم نے گرنے نہیں دینا۔ اسی طرح ہم نے درود شریف کا خیال بھی اپنے دماغ میں رکھتے ہوئے درود کا ورد جاری رکھنا چاہیے اور کام میں بھی لگے رہنا چاہیے۔ درد کو ذہن میں لاتے ہی آنکھیں اشک بار ہو جائیں تو درود کا حق ادا ہوتا ہے۔ ہماری آنکھوں میں آنسو آ جائیں کہ یہ درود ہم اس انسان پر بھیج رہے ہیں جس نے ہمارے اوپر بہت بڑا احسان کیا۔

### دُعا:

اللہ تعالیٰ ہمارے دل اپنی محبت اور قرآن کریم اور دین کی محبت سے سرشار فرمائے۔

آئیں دُعا درود شریف سے شروع کرتے ہیں۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جو دعا درود شریف سے شروع نہ کی جائے وہ زمین اور آسمان کے درمیان لٹکی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریمؐ، خاتم النبیینؐ پر اتنے درود پہنچیں کہ جب سے یہ دنیا اور کائنات بنی اور جب تک ختم ہو اس میں تمام ذرات سے بڑھ کر درود بھیجے جائیں۔ یا رب العالمین تو ہماری اس کوشش کو بھی قبولیت عطا فرما اور ہمارے نبی کریم صلعم کی عزت اور ناموس اس دنیا میں اور آخرت میں قائم رکھ، تو اس دین کی طرف لوگوں کو متوجہ کر اور جو اُن کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں ان کو ہدایت عطا فرما۔ یا رب العالمین تو ہمیں اپنے رسولؐ کے نمونہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں اس سے دور نہ ہونے دے، یا رب العالمین ہم تجھ سے بار بار دعا کرتے ہیں کہ یہ جماعت جو رسول کریم صلعم کی محبت پر قائم کی گئی اس کو تو ہمیشہ قائم رکھ۔ اور اسے حفاظت عطا فرما اور اس پر لگے فتوے دور فرما اور اسی سے دین کو پھیلانے میں ہماری مدد فرما۔ آمین

# رپورٹ سالانہ تربیتی کورس

## (17جولائی تا 23جولائی2022ء)

قوموں کی ترقی اور کامیابی کے لئے جن بنیادی اقدامات کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے ان میں سب سے ضروری اور اہم اقدام اگلی نسل کی اعلیٰ بنیادوں پر تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا ہے۔ جو قومیں اپنی آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت کو اہمیت نہیں دیتیں وہ دنیا میں اخلاقی، علمی اور عملی طور پر پستی کی جانب جھکتی چلی جاتی ہیں۔لیکن جو قومیں اپنے نونہالوں کی پرورش اور نشوونما میں تعلیم و تربیت کو خاص وقعت دیتی ہیں۔ انہی میں ایسے اہل خرد، اہل الرّائے اور دانشور پیدا ہوتے ہیں جو ان قوموں کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ وہ قومیں نہ صرف صنعت و حرفت میں کمال کو حاصل کرتی ہیں بلکہ اخلاق و آداب، تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کے بام عروج کو چھو لیتی ہیں۔ اسی قانون فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے 1970ء کی دہائی میں سالانہ تربیتی کورس کی بنیاد رکھی تاکہ اپنے نوخیزوں کی ذہنی بالیدگی اور افزائش کے ساتھ ساتھ اسلام کے پیش کردہ اعلیٰ نظریات سے واقفیت اور احمدیت جو کہ اسلام کی اصل تصویر پیش کرتی ہے اس کی تعلیمات سے اُن کی وابستگی پیدا کی جاسکے۔حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی یہ سوچ جماعت احمدیہ لاہور کے لئے نہایت ہی کارگر ثابت ہوئی۔

پہلا تربیتی کورس ایبٹ آباد کے مقام پر منعقد کیا گیا اس وقت اُس کا نام ''احمدیہ سمر سکول'' رکھا گیا۔ پہلے تربیتی کورس میں 15 افراد جماعت نے شرکت کی۔ دوسرے سال جب یہ کورس منعقد کیا گیا تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا یعنی 15.15 افراد کے دو گروپ بنا کر اس کورس کا انعقاد کیا گیا۔ پہلے سمر سکول (تربیتی کورس) کے اساتذہ میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، مرزا مسعود بیگ صاحب، حافظ شیر محمد خوشابی صاحب، بشیر احمد سوز صاحب شامل تھے۔ بعد میں یہ کورس لاہور میں منتقل ہو گیا اور اب تک جاری و ساری ہے۔

اس سالانہ تربیتی کورس سے بہت سارے احباب جماعت نے فائدہ اٹھایا اور اُٹھا رہے ہیں۔ پہلے پہل یہ کورس نوجوانوں اور بڑی عمر کے افراد کے لئے تھا لیکن بعد ازاں اطفال، شعبان اور بڑی عمر کے سبھی لوگوں کے لئے اس کو مختلف حصول میں تقسیم کر دیا گیا۔اس پندرہ روزہ کورس میں تمام عمر کے لوگوں کی ذہنی و جسمانی نشوونما کے لئے اصلاحی و اخلاقی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ عملی مشقوں اور کھیلوں وغیرہ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ کورس تین دہائیوں سے انتہائی احسن انداز میں اپنے مقاصد کو پورا کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امسال بھی گذشتہ سالوں کی طرح احمدیہ انجمن لاہور کا سالانہ تربیتی کورس 17 جولائی تا 23 جولائی 2022ء منعقد ہوا۔

اس کورس میں اندرون ملک سے طلباء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔بعض طلباء کے ساتھ آئے ہوئے والدین اور سرپرستوں نے بھی استفادہ حاصل کیا۔

اس کورس کو بچوں کی صلاحیت، تعلیم اور عمر کو مدنظر رکھتے ہوئے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

سینئر سکول 15 سال سے زائد۔ مڈل سکول 11 تا 15 سال۔

جونیئر سکول 11 سال تک۔

جونیئر سکول کے مزید دو سیکشن بنائے گئے:

جونیئر سکول A 5 سال تک۔ جونیئر سکول B 5 تا 11 سال

اس سال تربیتی کورس کے انچارج محترم فضل حق صاحب تھے۔ انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر اس تربیتی کورس کو کامیاب بنایا۔

اس تربیتی کورس کا آغاز حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نصائح اور دعاؤں سے ہوا۔

اس تربیتی کورس کے ذریعے طالب علموں کو جن موضوعات سے روشناس کروایا گیا وہ یہ ہیں:

**'بیعت کی اہمیت، ذاتی ترقی میں علم نفسیات کا استعمال، مجدد اعظم، گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، سورۃ الفاتحہ کی تفسیر، تجوید و قرآت، مسیح موعود کا دعویٰ نبوت سے انکار، جماعت کی ترقی میں خواتین کا کردار، حضرت مسیح موعود کے متعلق پیشگوئیاں، مسیح موعود کے دعویٰ مجددیت و مسیحیت کی حقیقت، قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے، مسیح موعود کے علم الکلام کی اہمیت، وفات مسیح ناصری، اذان کی اہمیت، اختلاف سلسلہ، نفس کی اقسام، حقوق العباد''۔**

ادائیگی نماز میں باقاعدگی کا خاص اہتمام کیا گیا اور نماز کے خاص نمبر تحریری امتحان میں شامل کئے گئے۔

نماز فجر کے بعد ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھنے اور نماز مغرب کے بعد درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں طلبہ و طالبات کی حاضری (شرکت) لازمی ٹھہرائی گئی۔ بچوں اور نوجوانوں کے اعتماد اور ذہنی صلاحیت کو ابھارنے (نکھارنے) کے لئے تقریری اور کوئز مقابلوں کا اہتمام کیا گیا اور ان مقابلوں کے نمبر تحریری امتحان میں شامل کئے گئے۔ ان دونوں مقابلوں میں بچوں اور نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

کورس کے اختتام سے قبل تحریری امتحان لیا گیا۔ سینئر سکول کی طالبہ ''حمنہ نور'' نے اوّل پوزیشن حاصل کی جس کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ''صاحبزادہ عبداللطیف شہید شیلڈ'' اور ''ڈاکٹر آصف حمید گولڈ میڈل'' اور دوسری پوزیشن ''احسن احسان'' نے حاصل کی جس کو پروفیسر رضیہ مدد علی ''سلور میڈل'' اور انور شہید شیلڈ سالانہ دعائیہ پر دیا جائے گا۔

مڈل سکول میں اوّل پوزیشن ''احمد سیال'' نے حاصل کی جس کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ''حامدہ رحمٰن گولڈ میڈل'' اور ''پروفیسر خلیل الرحمٰن شیلڈ'' سالانہ دعائیہ پر دیں گے۔

مورخہ 23 جولائی 2022ء کو تربیتی کورس کی اختتامی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے مقابلہ جات میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو شیلڈز، کیش پرائز سے نوازا۔

آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے تمام شرکاء کو دعاؤں سے رخصت کیا۔

سالانہ تربیتی کورس 2022ء کے مختلف مقابلہ جات میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کے نام درج ذیل ہیں۔

# تقریری مقابلہ

## سینئر سکول

اول: اختشام احمد

دوم: ہمنہ نور

سوئم: فادیہ رسول

## مڈل سکول

اول: احمد سیال

دوم: نصیبہ عبدالحق

سوئم: انیلہ ساجد

## جونیئر سکول۔ B

اول: سمیعہ ماجد

دوم: درِعدن

سوئم: حادیہ رسول

## جونیئر سکول۔ A

اول: مشیئہ غفور

دوم: خدیجہ کبریٰ

سوئم: عبداللہ ماجد

# کوئز مقابلہ:

## سینئر سکول

اول: فیضان احمد

دوم: احسن احسان

سوئم: ضیا احمد

## مڈل سکول

اول: احتشام احمد

دوم: دُرِ نایاب

سوئم: عمر حیات

## جونیئر سکول۔ B

اول: عبدالرحمٰن

دوم: سمیعہ ماجد

سوئم: عروج عزیز، درِ عدن

## جونیئر سکول۔ A

اول: مشیئہ غفور

دوم: رشدہ عزیز

سوئم: باسط احسان

# تحریری امتحان

## سینئر سکول

اول: حمنہ نور

دوم: احسن احسان

سوئم: شان الٰہی

## مڈل سکول

اول: محمد احمد سیال

دوم: عمر حیات

سوئم: خدیجہ رحمٰن

## جونیئر سکول۔ B

اول: حائقہ جاوید، سمیعہ ماجد

دوم: عبدالرحمٰن

سوئم: درِ عدن، محمد ارشد

## جونیئر سکول۔A

اول: رشدہ عزیز، مشیئہ غفور، مقیت اللہ، ملیحہ ماجد

دوم: ابوبکر عثمان

سوئم: عبدالہادی

☆☆☆☆

# بیعت کی ضرورت واہمیت

## تنویر احمد

بیعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ لفظ بیع سے مشتق ہے اور اس کا معنی فروخت ہے۔ بیعت کا مطلب کسی رسول، خلیفہ، امیر، پیر، بزرگ یا کسی رہبر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اُس کی اطاعت کا کرنا یا مرید ہونا ہے۔

لفظ بیعت فارسی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی ہاتھ میں ہاتھ دینا، عہد و پیمان کرنا، مریدی اختیار کرنا، اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرنا اور وفاداری کے ہیں۔

اصطلاح میں بیعت کے معنی عہد و وفا اور اطاعت کے ہیں۔ اور اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ بیعت عہد و وفاداری اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ یعنی ایک ایسا امر کہ جسے انجام دے کر کوئی بھی شخص یا جماعت کسی رسول، خلیفہ، امیر، پیر، بزرگ یا کسی رہبر کے دینی اور دنیاوی اقتدار کو تسلیم کر لے، یہ بیعت کہلاتی ہے۔

لفظ بیعت اسم ہے اور ادائیگی میں مونث کہلائے گا جیسا کہ ''میں نے بیعت کی''۔

بیعت کو ہم درج ذیل چار مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

## بیعت کی اقسام

**بیعت انبیاء علیہ السلام:** اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ جب رسول اللہ صلعم اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو تمام انبیاء اُن کی پیروی کرتے ہوئے آپ صلعم کے دین پر عمل پیرا ہوں گے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 81 میں اس عہد کا ذکر ہے۔

ترجمہ: ''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعہ عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب و حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تصدیق کرنے والا جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو، اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

**بیعت اسلام یعنی اسلام میں داخل ہونے کی بیعت:** رسول اللہ صلعم نے عرب کے لوگوں سے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، آزاد ہو یا غلام، سب سے اسلام میں داخل ہونے کے لئے بیعت لی۔ کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ ''ہم اللہ تعالیٰ کو ایک ہی مانتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور یہ کہ ہم حضرت محمد صلعم کو اللہ تعالیٰ کا نبی مانتے ہیں''۔

اس وقت سے لے کر آج تک کسی بھی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے یہی بیعت کرائی جاتی ہے۔

**بیعت خلافت:** حضور نبی کریم صلعم کے وصال کے بعد جو سب سے پہلی بیعت لی گئی وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہؓ سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ آپؓ کے بعد دوسرے خلفاء راشدین نے بھی اپنی اپنی خلافت کی بیعت لی۔

**بیعتِ اِرادت:** یہ وہ بیعت ہے کہ جو مختلف اوقات میں اولیاء اللہ، بزرگانِ دین اور پیر صاحبان نے اپنے مریدوں یا ارادت مندوں سے لی ہے۔ اور یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

## بیعت کیا ہے؟

جب ہم اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ دنیا میں انسان کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ دنیا کی زندگی کے لئے ان اشیاء کی سخت ضرورت ہے کہ جو قدرت نے اُسے عطاء کی ہیں اُن کے بغیر زندگی کا تصور

مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ جب اس مادی دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قدر اسباب پیدا فرمائے ہیں کہ اُن کی انتہاء تک پہنچنا انسان کی طاقت سے باہر ہے، تو ہمارے ذہن میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس دنیا کو پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی کیا عظیم مصلحت پوشیدہ ہے۔ اس مصلحت کا کھوج لگانے کے لئے جب ہم اللہ تعالیٰ کی اُتاری ہوئی کُتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ انسانیت کے اصل جوہر دکھانے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اور اس کارخانے کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک روحانی حصہ اور دوسرا مادی حصہ۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کے لئے زندگی گزارنے کے لئے دُنیاوی اسباب پیدا فرمائے ہیں۔ اس کے ساتھ روحانی زندگی کے لئے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء صرف انسان کی روحانی زندگی کے لئے ہی اس دنیا میں تشریف لائے اور ان تمام انبیاء کے آخر میں ہمارے پیارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روحانیت بھری زندگی کی تکمیل کے لئے تشریف لائے اور روحانیت کو اپنے کمال تک پہنچا دیا۔

آپؐ نے اپنی روحانیت کی اس روشنی سے تمام عالم کو منور کر دیا۔ اور یہی حال آپؐ سے پہلے انبیاء کا ہے کہ جن پر کامل غور کرنے سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ خداوند کریم نے اس پاک گروہ کو اپنے اور مخلوق کے درمیان ایک واسطہ بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اس لئے منتخب کیا کہ وہ انسانوں سے یہ عہد لیں کہ اگر وہ خدا سے دل لگاتے ہیں اور اس کی محبت چاہتے ہیں تو وہ اس بات کا اقرار کریں کہ جو پیغمبر کہیں گے وہ اس کی تعمیل کریں گے۔ اس اقرار کا نام بیعت ہے۔ اس بیعت کی غرض صرف یہ ہے کہ انسان بدی اور بدی کی راہوں سے بچا رہے اور خدا کا پیارا بن جائے اور کوئی فعل اس سے ایسا سرزد نہ ہو جو اس کو خدا کے غضب کا مورد کر دے۔ چنانچہ یہی بیعت ہے کہ جس کے ذریعہ کروڑوں انسان خدا کے محبوب اور پیارے بن گئے۔

مادی دنیا کا کارخانہ بھی ایک طرح کی بیعت پر چل رہا ہے جس کو عام زبان میں حلف، عہد اور وعدہ کے نام سے جانا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہیں ملازمت اختیار کرتا ہے تو وہ یہ عہد کرتا ہے کہ میں نے اپنی ملازمت کے دوران ایسا کوئی کام نہیں کرنا جس سے میری ملازمت پر کوئی حرف آتا ہو اور ہر وہ کام کرنا ہے جس سے میری ملازمت میں بہتری آئے اور میں اپنے ساتھیوں کے سامنے سرخرو ہو جاؤں اور افسران بالا کی خوشنودی حاصل کر سکوں اور مزید ترقی کرتا ہوا اعلیٰ مقام پر پہنچ جاؤں اور یہ بات بغیر ملازمت یعنی معاہدے یا عہد کے ناممکن ہے اور یہ عہد یا معاہدہ اس نظام کا حصہ ہوتا ہے۔

بیعت بھی ایک اعلیٰ درجہ کا بڑا پُر اثر اور نتیجہ خیز نظام ہے جس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا بیعت کا سلسلہ اصلاح و قیام دنیا کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

بیعت کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ النحل کی آیت نمبر 36 میں ہے کہ حضور صلعم سے پہلے انبیاء بھی اپنی قوموں سے اس بات پر عہد لیتے تھے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے اور شیطان سے بچتے رہیں گے اور یہ عہد ایک بیعت ہی تھی کیونکہ بیعت کرنا اور عہد کرنا ایک ہی کام کے دو مختلف نام ہیں۔

حضور نبی کریم صلعم کے اعلانِ نبوت کے بعد سب سے پہلے بیعت آپ صلعم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ نے کی اور آپؐ کے بعد حضرت علیؓ اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلعم کی بیعت کی۔ یہ اسلام میں داخل ہونے والوں میں سب سے پہلی بیعت تھی۔ اس کے بعد باقی لوگوں نے حضور صلعم کی بیعت کی۔ اس بات کو قرآن کریم کی سورۃ الواقعہ کی آیت نمبر 10 اور 11 میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''پہلے ایمان لانے والے سب سے آگے ہیں'' (آیت 10) ''وہی (خدا کے) مقرب ہیں'' (آیت 11)

اس آیت میں پہلے تمام مہاجر اور انصار کا ذکر ہے جو کہ حضور صلعم پر سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ صلعم کی بیعت کی۔

قرآن کریم کے پارہ نمبر 26 میں سورۃ الفتح کی آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلعم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ پس جو کوئی بیعت توڑتا ہے وہ اپنی ہی جان کے نقصان کے لئے توڑتا ہے اور جو اُسے پورا کرتا ہے جس پر اُس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اُسے بڑا اجر ملے گا۔

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود بیعت کی اہمیت کو واضح کر کے بتایا ہے کہ جو لوگ بیعت کرتے ہیں گویا انہوں نے اپنی جان مال سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اب ان کا جینا مرنا، ان کا وقت، ان کی جان و مال اور دولت گویا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے تیار ہے اب انہوں نے پیچھے نہیں ہٹنا۔ اس کے ساتھ بیعت لینے والے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے اور بیعت لینے والے کی اہمیت دنیا پر ظاہر کر دی ہے کہ اس کا مقام کتنا بلند ارفع اور اعلیٰ ہے۔ کہ بیعت لینے والے کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو شخص اپنا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں دے کر عہد و پیمان کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو کبھی ناکام و نامراد نہیں ہونے دے گا۔

حضور نبی کریم صلعم نے اپنی زندگی میں کئی مواقعوں پر لوگوں سے بیعت لی ان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، غلام اور آزاد سب شامل تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ: یہ بیعت سنہ 11 نبوی میں ہوئی جس میں چھ آدمیوں نے بیعت کی۔

مدینہ کے دو قبائل اوس اور خزرج قحطانی نسل کے تھے جو ہر سال حج کے لئے آتے تھے۔ نبوت کے گیارہویں سال ان قبائل کے چند آدمی حج کے لئے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی۔ جس پر ان میں سے چھ آدمیوں نے عقبہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا۔ اسی مناسبت سے یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ: یہ بیعت 13 نبوی میں ہوئی جس میں 73 مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی۔

13 نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ منورہ کے 75 آدمیوں نے منیٰ کی اسی گھاٹی عقبہ کے مقام پر اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں:

''ہم نے اللہ کے رسول صلعم سے بیعت کی تھی کہ آپ صلعم کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے، خواہ مشکل ہو خواہ آسانی ہو، خواہ طبیعت آمادہ ہو اور خواہ ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے، خواہ آپ صلعم دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں، اور جنہیں بھی آپ صلعم ذمہ دار بنائیں گے ان سے ہم جھگڑے گے نہیں (ان سے تعاون کریں گے) اور جہاں بھی ہوں گے حق بات (اور صحیح مشورہ) ضرور پیش کریں گے، ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے''۔

یہ ایک عظیم بیعت تھی جس سے ایک تنظیم وجود میں آئی۔ اسی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی۔

## بیعت رضوان

ہجرت کے چھٹے سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ایک گروہ کے ساتھ حج بیعت اللہ کا فریضہ انجام دینے کے لئے مکے کی طرف روانہ ہوئے جن کے پاس صرف تلواریں اور وہ بھی غلاف میں تھی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کاروان میں 1400 سے 1600 سو تک افراد موجود تھے۔ جیسے ہی یہ کاروان مدینہ سے 9 منزلیں طے کر چکے مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر حدیبیہ نامی گاؤں پہنچے تو مکہ کے مشرکوں نے ان کا راستہ روک لیا اور مکہ جانے سے منع کر دیا۔

رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خراش نامی شخص کو اپنی اونٹنی پر سوار کر کے مکہ بھیجا تا کہ وہ مکہ کے سرداروں تک یہ پیغام پہنچا دے کہ مسلمان ان سے

لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ وہ صرف بیت اللہ کی زیارت کر کے واپس چلے جائیں گے۔لیکن مکہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کو مار ڈالا۔ وہ خراش کو بھی مارنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن بعض لوگ اُن کے اس امر میں مانع ہوئے اور وہ واپس لوٹ آئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری دفعہ حضرت عثمانؓ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا لیکن مکہ والوں نے اُن کو واپس نہ آنے دیا۔ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکے کے لوگوں نے قتل کر دیا ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی ،اُس وقت آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔آپ نے اسی وقت لوگوں سے بیعت مانگی۔اور اسی وجہ سے اس عہد و پیمان کو بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے۔اس بیعت میں شریک تمام افراد نے آنحضرت صلعم کے حکم پر اپنی جان قربان کرنے کی بیعت کی۔اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔

## خواتین کی بیعت:

رسول اللہ صلعم نے مختلف مواقعوں پر خواتین سے بھی بیعت لی۔جو کہ ان الفاظ پر مشتمل ہوتی تھی۔میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروں گی۔اور نہ زنا کروں گی، نہ چوری کروں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروں گی۔اور نہ کسی پر بہتان باندھوں گی اور نہ آپ صلعم کی کسی اچھی بات کی نافرمانی کروں گی۔

عورتوں کی بیعت کے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلعم جب عورتوں سے بیعت لیتے وقت اپنے ہاتھ پر کپڑا رکھ لیتے تھے۔

## نابالغ بچوں کی بیعت:

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ زینب بنت حمید، ان کو رسول اللہ صلعم کے پاس لے گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم اس کی بیعت لیجئے۔تو آپ نے فرمایا یہ چھوٹا ہے یہ کہہ کر آپ کے سر پر ہاتھ رکھا اور آپ کے لئے دعا کی۔چھوٹا ہونے کی وجہ سے حضور صلعم نے حضرت عبداللہ بن ہشامؓ سے بیعت نہیں لی کیونکہ بیعت ایک عہد ہے اور عہد کرنے والے کا بالغ ہونا ضروری ہے۔(حدیث نمبر 7210 بخاری شریف)

قرآن کریم میں بیعت کا ذکر تین جگہوں پر آیا ہے۔پہلا ذکر سورۃ الفتح کی آیت نمبر 10 دوسرا ذکر سورۃ الفتح کی آیت نمبر 18 اور تیسرا ذکر سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 12 میں آیا ہے۔جبکہ احادیث میں بے شمار دفعہ بیعت کا ذکر موجود ہے۔

بیعت اسلام کے اجزاء میں سے ایک انتہائی اہم جزو ہے۔ بیعت کی اہمیت کا اندازہ اس اسلام کے ماخذات میں سے اس کے تذکرے سے لگایا جاسکتا ہے بیعت کرنے کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔رسول اللہ صلعم نے اپنی زندگی میں کئی موقع پر بیعت لی۔صحابہ کرامؓ نے بھی حضور صلعم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کے بعد کئی موقعوں پر لوگوں سے بیعت لی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح اسلام کی حقیقتیں گرد آلود ہوگئیں اسی طرح بیعت کی حقیقت کو بھی یا تو یکسر بھلا دیا گیا یا پھر نظر انداز کر دیا گیا۔اگر اس کا تصور کہیں پر موجود رہا تو وہ خانقاہی نظام میں تھا جو کہ اسلامی بیعت کی اصل حقیقت سے میل نہیں کھاتا تھا۔

## بیعت ہر زمانے میں ضروری ہے

اس امت میں اگر کوئی مجدد، اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت لوگوں سے بیعت لے تو تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس مجدد کی بیعت کریں کیونکہ رسول اللہ صلعم نے بیعت نہ کرنے والے پر سخت وعید فرمائی ہے۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ ابن سعید ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ''جو شخص بغیر بیعت کے مرجائے تو اس کی موت جاہلیت پر ہوگی''۔(جاری ہے)

☆☆☆☆

# مہمان نوازی

ابو احمد

مہمانوازی دین اسلام کا ایک خوبصورت اساسہ ہے جو ہمیشہ دین اسلام کا نمایاں امتیاز رہا۔ مہمان نوازی کے حوالے سے ہمارے نبی کریم صلعم کی کیا سنت تھی اس سے اندازہ لگالیں کہ آپ کا نبوت کے بعد جو پہلا تعارف ہے وہ مہمان نوازی کے حوالے سے ہے۔ جناب نبی کریم صلعم پر جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صلعم نے یہ واقعہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ سے ذکر کیا تو حضرت خدیجہؓ نے حضور صلعم کو تسلی دی اور پھر انہوں نے آپ کی کچھ صفات بیان کیں کہ ان صفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو پریشان نہیں کیا کرتا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ صلعم کی سماجی خدمات کا ذکر کیا کہ آپ صلعم صلہ رحمی کرتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا سہارا بنتے ہیں، مہمانوں کی مہمانی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مہمان نوازی کرنے والے اللہ کے محبوب ہوتے ہیں یہ کام کرنے والے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ کامیاب کرتا ہے۔ گویا کہ مہمان نوازی کامیابی کا ایک گر ہے جسے اپنانے سے انسان کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کے چھوڑنے سے انسان ناکام ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ایک شخص نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں آکر کہا میں فاقہ سے ہوں۔ آپ صلعم نے اپنی زوجہ کے پاس پیغام بھیجا۔ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلعم کو حق کے ساتھ بھیجا میرے پاس تو پانی کے سوا کچھ نہیں۔ پھر آپ صلعم نے دوسری زوجہ کے پاس پیغام بھیجا انہوں نے بھی اس طرح کہا حتیٰ کہ سب نے یہی کہا۔ بالآخر آپ صلعم نے فرمایا جو شخص اس کو آج رات مہمان بنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے اللہ کے رسول صلعم اس کو میں مہمان بناؤں گا۔ وہ شخص اس مہمان کو اپنے گھر لے گیا اور بیوی سے پوچھا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا ہے اس نے کہا بچوں کو کسی اور چیز سے بہلا کر سلا دو۔ جب مہمان کھانا کھانے لگے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں پھر وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ جب صبح کو وہ نبی کریم صلعم کے پاس پہنچا تو رسول اکرم صلعم نے فرمایا تم نے مہمان کے ساتھ جو (حسن) سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا۔ (مسلم، کتاب الاشربۃ) یہ ان لوگوں کی سیرت ہے جو اشاعت اسلام کرنے والے تھے جنہوں نے اشاعت اسلام کر کے دکھائی کہ اس طرح عملی طور پر اشاعت کی جا سکتی ہے اور وہ ہمارے لئے روشن نمونہ ہے۔ مہمان نوازی دین اسلام کے امتیازی اصولوں میں سے ایک اصول ہے اور اگر دیکھا جائے تو انبیاء علیہ السلام کی سیرت میں مہمان نوازی ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ ہر نبی مہمان نواز تھا۔ مہمان خدا تعالیٰ کی رحمت ہوتا ہے اور مہمان آپ کا کچھ نہیں لیتا بلکہ وہ اپنی قسمت کھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا ہونے سے پہلے لکھ دی ہے۔ اور ہمیں اس کی مہمان نوازی پر اجر ملنے والا ہے جو کچھ ہم مہمان کے لئے کر رہے ہوتے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے اور مہمان کا نصیب ہے۔ سنت یہ ہے کہ ہمیں مہمان کے لئے ایسا انتظام کریں جس سے اس کا دل خوش ہو۔ اور اس پر مطمئن ہو۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو یہ تھی کہ آپ مہمان کو خاص اور مقدس جگہ مسجد میں ٹھہراتے اور اس کی مہمان نوازی کا خود خیال رکھتے۔ مہمان کے لئے کھانا اپنے گھر سے منگواتے تھے۔ آپ صلعم کی مہمان نوازی کو دیکھ کر بہت سارے لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ ایسا پیارا دین جو اس قدر انسانیت کے لئے اپنے بازو کھولتا ہے اس

قدر مہمان کی عزت کی جاتی ہے گویا کہ وہ خونی رشتہ دار ہو اور بعض جگہ تو خونی رشتے کو بھی پیچھے چھوڑ دیا دینی محبت کا رشتہ سبقت لے جاتا۔ ہم نے پڑھا کہ ایک صحابیؓ نے اپنے مہمان کے ساتھ کیسا حسن سلوک کیا جن کے پاس مہمان آیا اورانہوں نے مہمان کے کھانے کو ترجیح دی اور چراغ کو بجھا دیا خود خالی پیٹ سو گئے اور مہمان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ یہی وہ سیرت کا پہلو تھا جسے محدثین مجددین نے بخوبی نبھایا اور اپنایا اور اسی پہلو نے بہت سارے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے لئے جگہ بنائی اور لوگ دین اسلام کے قریب ہوتے چلے گئے۔ جماعت احمدیہ کا طرۂ امتیاز مہمان نوازی ہی تھا۔ حضرت مسیح موعود کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں ایک نمایاں خوبی جو نظر آتی ہے۔ وہ مہمان نوازی تھی اور ان کا لوگوں کو اپنی جماعت کے اندر داخل کرنے کا جو بہت بڑا پہلو ہے وہ مہمان نوازی میں آپ خود پیش پیش رہتے۔ خود ان کے رہنے کا ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے تھے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کا رکھتا ہے۔ حضرت صاحب جس وقت اپنی بیماری کے آخری ایام میں لاہور تشریف لائے تو مہمان خانہ جماعت کے عظیم ترین بزرگ مفسر قرآن مولانا محمد علیؒ کے سپرد کر کے آئے اس لئے کہ یہ کوئی عام کام نہ تھا بلکہ جماعت کے بنیادی کاموں سے ایک کام تھا اور جماعت بندی میں اس کا بہت بڑا کردار تھا۔ آپ دیکھیں کہ مہمان نوازی کتنا بڑا کام ہے اور کتنی اہمیت کا حامل ہے کہ جماعت کے قابل عالم، فاضل اور باعمل انسان کے سپرد کیا۔ کیونکہ مہمان خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اور اس رحمت کو احسن طریقے سے قبول کرنا چاہیے مگر آج لوگ مہمان نوازی سے بہت دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنی اولاد، اپنے خاندان کے مقام کا تو خیال رکھتے ہیں مگر مہمان کو عزت نہیں دیتے جو عزت دین اسلام نے مہمان کو دی ہے۔ بسا اوقات تو مہمان کو ملازمین کے سپرد کر دیا جاتا ہے وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہیں مہمان سے سلوک کریں۔ اب مہمان نہ تو شرم کے مارے کسی کو بتا سکتا ہے اور نہ ہی مہمان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کس ازیت میں ہو، خود ہم اپنے لئے آرام دہ جگہ پسند کرتے ہیں، گرمی ہو تو ٹھنڈی جگہ سردی ہو تو گرم جگہ پسند کرتے ہیں۔

اور یہی چیز اپنی اولاد کے لئے پسند کرتے ہیں۔ تو مہمان کا خیال اپنے نفس سے بھی بڑھ کر کرنا چاہیے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت یہ ہے کہ جنگ بدر کے جو قیدی مسجد میں ٹھہرائے گئے آپ نے فرمایا کہ ان کو آرام پہنچاؤ۔ جب تک وہ آرام سے نہیں سوئے آپ صلعم نے آرام نہیں کیا۔ یہ ہے وہ سیرت جسے آج ہمیں اپنانے کی ضرورت ہے۔ برا سلوک جو ہم مہمان سے کرتے ہیں اس سے شاید اسے کچھ فرق نہ پڑتا ہو مگر ہم اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہو جاتے ہیں۔ جس کے دل میں ہماری شفقت اور محبت کو گھر کرنا تھا وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ میں نے اس کے پاس آنے کی غلطی کیوں کی۔ ہم اس دین کے ماننے والے ہیں جس دین نے واضح کہا کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو۔ مہمان اپنی زبان سے آپ سے شکوہ گلہ تو نہیں کر سکتا مگر آپ کے حسن سلوک سے علیم و خبیر خدا بخوبی واقف ہے کہ تم اپنی ذات کے لئے کیا پسند کرتے ہو مہمان کے لئے کیا پسند کرتے ہو۔ مہمان مسافر کے زمرے میں بھی آتا ہے کہ وہ سفر کی حالت میں ہے اور مسافر کی قدر و قیمت قرآن کریم نے بہت زیادہ بیان کی ہے اس لئے مسافر کے ساتھ بدتمیزی کرنا اس کو ڈانٹنا، اس سے بے رُخی کرنا یہ دین اسلام پر عمل کرنے والوں کا کام نہیں۔ الحمد اللہ ہماری جماعت مہمان نوازی میں ہمیشہ ایک عالی مثال رہی دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

☆☆☆☆

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

# حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقام و مرتبہ امام الزماںؒ کی نظر میں

بہر حال میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دُنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی امرِ سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نسبت فرماتا ہے قالت الاعراب امنّا۔ قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا (الحجرات:15)

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو غذا کے لئے اختیار کرتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دُنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسینؓ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلبِ ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر، استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دُنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کا قدر مگر وہی جو اُن میں سے ہیں۔ دُنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسینؓ کی تحقیر کی جائے اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلشانہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم)